سب سے منفرد اور کثیر الاشاعت • خواتین اسلام کا پسندیدہ رسالہ

ماہنامہ

بناتِ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

کراچی

305

ایمانی جھونکے

ادارہ بناتِ عائشہ رضی اللہ عنہا کی جانب سے اہلِ اسلام کو

عیدالفطر مبارک

محمود کی آزمائش

عظیم مجاہد رہنما کی جگر سوز داستان

ماہنامہ

بناتِ عائشہ رضی اللہ عنہا

کراچی

جلد ۲۶ شمارہ ۱۰

شوال ۱۴۴۷ھ، اپریل 2026ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا

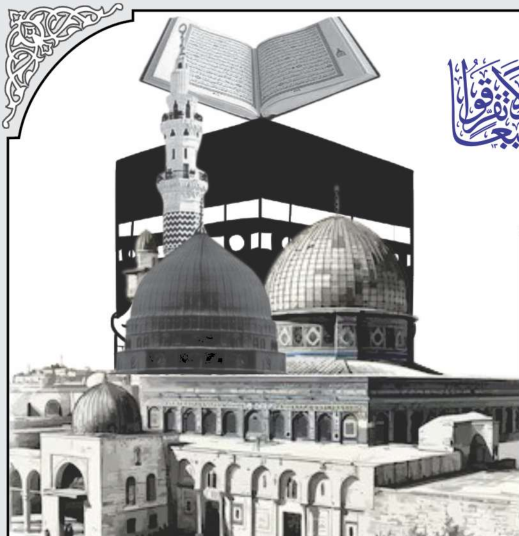

صرف مضامین وخطوط کیلئے

i.maqsood313@yahoo.com

ترسیل اور حصول رسالہ کیلئے: مکتبہ ابن مبارکؒ ۳۷ حق سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

زرِ تعاون فی شمارہ

120/= روپے

سالانہ تعاون

پاکستان ــــــ ۱۴۴۰ روپے

یورپ ــــــ ۴۰ ڈالر

امریکہ/افریقہ ــــــ ۶۰ ڈالر

عرب ممالک ــــــ ۳۵ ڈالر

بھارت ــــــ ۳۰ ڈالر

پبلشر حافظ طاہر حمید **پرنٹر** رئیس الرحمٰن الجنت پرنٹنگ پریس کراچی **مقام اشاعت** ۱۲ ڈاڈی مینشن ریگل چوک کراچی

نیکی کی راہوں پر بناتِ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہم قدم بن جائیں

الحمد للہ !

☆...... ماہنامہ ''بناتِ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا'' کی مسلسل اشاعت کا **25** واں سال چل رہا ہے۔

☆...... ماہنامہ ''بناتِ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا'' ہر اسلامی مہینے کے آغاز میں آپ تک خوبصورت اور دل نشین انداز میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت' حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور دینِ اسلام کی تعلیمات کا پیغام پہنچاتا ہے۔

☆...... ماہنامہ ''بناتِ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا'' راہِ حق کے فدائیوں' اسلام کے جانثاروں اور دنیا بھر کے مظلوم مسلمانوں کی آواز آپ تک پہنچاتا ہے۔

☆...... ماہنامہ ''بناتِ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا'' کے صفحات پر آپ تفسیر قرآن' احادیث نبوی' دینی مسائل' عبرت و نصیحت پر مبنی واقعات اور شرم وحیاء کے جذبات' سب کچھ انتہائی مستند' دلچسپ اور موٴثر شکل میں پڑھ سکتی ہیں۔

☆...... ماہنامہ ''بناتِ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا'' ہر باطل کے خلاف ایک بے لوث، رضا کار اور ہر فسق و فجور کے مقابلے میں ایک نڈر سپاہی کا کردار ادا کرتا ہے۔ یہ لا دینی اور بے حیائی کے دور میں مسلمان بہنوں کی حفاظت کا مضبوط قلعہ ہے۔

☆...... ماہنامہ ''بناتِ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا'' ہر مسلمان گھرانے کی لازمی ضرورت اور ہر مسلم فرد کیلئے انتہائی مفید ہے۔

٭ ماہنامہ ''بناتِ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا'' خود پڑھیں۔

٭ دوسروں کو اس کے مطالعہ کی ترغیب دیں اور اپنے حلقۂ احباب میں بطور تحفہ اسے پیش کریں۔

٭ یقیناً یہ ایک عظیم دینی دعوت اور بہت بڑی سعادت ہوگی

اگر آپ ماہنامہ ''بناتِ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا'' کے پیغام سے متفق اور اس کے اسلوب سے مطمئن ہیں تو......آئیں! آگے بڑھیں اور اس کو ہر مسلمان گھرانے تک پہنچانے میں ہمارا ساتھ دیں۔

حمد باری تعالیٰ

اے خدائے لم یزل، اے مالک عرض و سماء
خالق برحق ہے تو، کوئی نہیں ثانی تیرا
اے خدائے لم یزل، اے مالک عرض و سماء
یہ نظام بزم ہستی، تیری قُدرت کا کمال
تو ہے ربّ العالمیں، تو مالک یوم جزاء
اے خدائے لم یزل، اے مالک عرض و سماء
ہر جگہ موجود ہو کر بھی نظر آتا نہیں
ذرّے ذرّے میں نمایاں ہے مگر جلوہ تیرا
اے خدائے لم یزل، اے مالک عرض و سماء
بحروبر، دشت و جبل، نخل و ثمر، ماہ و نجوم
رونق بزم جہاں ہے تیری عظمت پہ گواہ
اے خدائے لم یزل، اے مالک عرض و سماء

ہدیۂ عقیدت بحضور سرورِ کائنات ﷺ

الٰہی کس سے بیاں ہوسکے ثنا اس کی
کہ جس پر ایسا تیری ذات خاص کو ہو پیار
جو تو اسے نہ بناتا تو سارے عالم کو
نصیب ہوتی نہ دولت وجود کی زنہار
جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں
تیرے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار
گرفت ہو تو ترے ایک بندہ ہونے میں
جو ہوسکے تو خدائی کا اک تری انکار
بجز خدائی نہیں چھوٹا تجھ سے کوئی کمال
بغیر بندگی کیا ہے لگے جو تجھ کو عار
جو انبیاء ہیں وہ آگے تری نبوت کے
کریں ہیں امتی ہونے کا یا نبی اقرار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ ﷻ کے اسمائے مبارکہ

الرؤوف

مہربان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رسولِ اکرم ﷺ کے اسمائے مبارکہ

مُبِین

واضح کرنے والا

اس شمارے میں

10 اداریہ
محمد منصور احمد

15 ایمانی جھونکے
حضرت اقدس امیر المجاہدین مولانا محمد مسعود ازہر

25 مختصر تاریخ اسلام
محمد منصور احمد

38 عیدِ مبارک — ام مجاہد

54 عہد رسالت میں خواتین کی آزادی — اخت سعید

73 اپریل فول — بنت فیصل

89 دعاءِ رسول ﷺ کے مستحق بنیئے — ام احمد

104 ہدایت و رحمت کا سرچشمہ — بنت صفیہ

111 معاشرے کی تباہی — ام افضل

122 حضرت ام سلیم انصاریہ رضی اللہ عنہا — اخت اطہر

131 ایک فلسطینی بچے کی رودادِ الم — ادارہ

142 میری ماں... میری جنت — المصباح

150 اولاد کو بگڑنے سے کیسے بچائیں — ام حبیب

160 حسن اخلاق — ام اختر

178 گناہوں کے زہریلے اثرات — بنت اسعد

187 میرا باورچی خانہ — ام ہانی

جل جلالہ

کلامِ ہدایت

شکل وصورت کا مذاق نہ بنائیں!

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝۴ (التین۔۴)

''ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں ڈھال کر پیدا کیا''۔

☆...... فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ سے مراد حسین وجمیل اور سفید وسرخی مائل ہونا نہیں ہے، اس سے مراد تو وہ جسم ہے جو اپنے کاموں کو بہترین اسلوب سے ادا کرنے والا ہو۔ ☆......خوبصورتی مال کی طرح رزق ہے جس کو اللہ نے اپنی حکمت سے مخلوق میں تقسیم فرمایا ہے۔ ☆......لقمان حکیم ''نور'' کے رہنے والے ایک غلام تھے، ...... بلال بن رباح رضی اللہ عنہ سیاہ رنگت کے مالک تھے، لیکن ان کو اس چیز نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ ☆......ان بدکار دلوں میں حسن وجمال کا کیا فائدہ جن کو عنقریب آگ کھا جائے گی۔ ☆...... کسی کی شکل وہیئت کا مذاق نہ اڑاؤ، تم تو اپنے آپ کو نہیں پیدا کر سکتے۔ ☆......اگر تم مخلوق کو احترام نہیں دے سکتے تو کم از کم خالق کے ادب سے ہی کسی کی تحقیر نہ کرو۔ ☆...... کسی کو ایسا نہ بناؤ کہ وہ اپنی شکل وہیئت سے نفرت کرنے لگے۔ ☆...... جی ہاں! زبان کبھی تلوار کے وار سے زیادہ تیز ہوتی ہے۔

کلامِ ہادئ عالم ﷺ

آپ کی کوئی نیکی خفیہ بھی ہونی چاہیے!

مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَكُونَ لَهُ خَبِيءٌ مِنْ عَمَلٍ صَالِحٍ فَلْيَفْعَلْ.

(مصنف ابن ابی شیبہ: 35768)

"تم میں سے جو شخص کوئی خفیہ نیکی کرسکتا ہے تو اسے ایسی نیکی کرنی چاہیے"

کچھ عبادتیں آپ کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان راز ہونی چاہییں،

☆ ۔۔۔جیسے بغیر رسید یا تصویر کھنچوائے صدقہ دینا، ☆ ۔۔۔رات کی نماز جس میں آپ اس طرح چھپتے ہوں جس طرح ڈرنے والا چھپتا ہے کہ اسے کوئی دیکھ نہ لے، ☆ ۔۔۔قرآن کا ورد جس پر آپ کو فخر نہ ہو، ☆ ۔۔۔نفلی روزہ جس کا پتہ صبح وشام آپ کے پاس آنے جانے والے کو بھی نہ چل سکے، ☆ ۔۔۔کسی یتیم کی کفالت جس کو یہ پتہ نہ ہو کہ اس کی کفالت کرنے والا کون ہے، ☆ ۔۔۔کسی بیمار کے لیے دوائی کا ڈبہ جو نہ جانتا ہو کہ کس نے اس کیلئے یہ خریدا ہے، ☆ ۔۔۔قرض داروں کی طرف سے دکانوں میں ادا کیا جانے والا ادھار جس کا حساب قیامت کے دن کیلئے چھوڑا جائے، ☆ ۔۔۔نیک اعمال شرمندگی کا باعث نہیں کہ انہیں چھپایا جائے، لیکن وہ سب کچھ جو لوگوں کے سامنے ہوتا ہے اس میں نیت خراب ہونے کا خطرہ موجود ہوتا ہے، ☆ ۔۔۔اور پھر اس دین میں بہت سی ایسی عبادات ہیں جو چھپائی نہیں جاسکتیں، جیسے فرض نماز۔ ☆ ۔۔۔اس لیے اللہ تعالیٰ کے دربار میں آپ کی کوئی خفیہ نیکی بھی ہونی چاہیے!

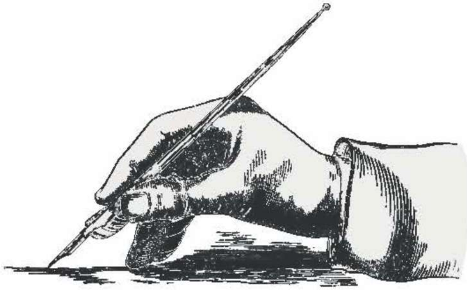

اداریہ

مسلمان کی عید

رمضان المبارک کی محنتوں، قربانیوں اور نیکیوں کے صلے میں اہلِ ایمان کو عید الفطر کا انعام ملتا ہے۔ عید کا لفظ ہی ایسا ہے کہ زبان پر آتے ہی منہ میں مٹھاس اور طبیعت میں بشاشت پیدا

ہو جاتی ہے۔

ویسے تو دنیا میں سب لوگ ہی اپنے تہوار مناتے ہیں اور ہر سال کسی خاص دن میں اپنی خوشیوں اور مسرتوں کا اظہار کرتے ہیں لیکن اہلِ اسلام کی عید میں اور غیروں کی عید میں آسمان زمین کا فرق ہے۔ دوسری قوموں کے ہاں عید کا مطلب صرف موج مستی اور عیاشی ہے۔ اُن کے تہوار صرف اسی سوچ پر مبنی ہوتے ہیں کہ کس طرح زیادہ سے زیادہ نفس پرستی کر لی جائے اور خوب مزے اڑا لیے جائیں، اسی لیے وہ اپنے خوشی کے تہواروں پر کسی روک ٹوک یا کسی پابندی کے قائل نہیں۔

اُن کے قومی تہواروں پر بے راہ روی کا اندازہ آپ صرف اس بات سے لگا لیں کہ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے عظیم پیغمبر کا من گھڑت یومِ پیدائش ۲۵/دسمبر مقرر کر لیا گیا اور پھر اس کی نسبت سے ہر سال ''کرسمس ڈے'' منایا جانے لگا۔ عیسائی دنیا میں جتنی شراب اس موقع پر پی جاتی ہے پورے سال نہیں پی جاتی اور جتنی اخلاقی پستی کے مظاہرے، ایک پاک نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے مزعومہ یومِ پیدائش پر، نظر آتے ہیں، سال بھر دکھائی نہیں دیتے۔

اس کے برخلاف مسلمانوں کی جو دو سالانہ عیدیں ہیں۔ عید الفطر اور عید الاضحی۔ دونوں ہی کو خاص اعمال کے بعد مقرر فرما کر اُن میں ایک خوبصورت اور ایمان افروز نظریہ سمو دیا گیا ہے۔ عید الفطر کا انعام تب نصیب ہوتا ہے، جب مسلمان پورے ایک مہینہ تک اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر بھوک پیاس برداشت کر کے روزے جیسی عبادت سر انجام دیتے ہیں اور اپنے عمل سے اپنے آپ کو انعام کا مستحق بنا لیتے ہیں۔ اسی طرح عید الاضحی تب منائی جاتی ہے، جب

دنیا بھر سے آئے مسلمان حج بیت اللہ شریف کی سعادت حاصل کرتے ہیں اور مسلمانوں کی ایک عالمگیر برادری وجود میں آتی ہے، جس میں امیر وغریب، حاکم ومحکوم، بادشاہ ورعایا، عرب و عجم اور مشرق ومغرب کی کوئی تفریق نہیں ہوتی۔ پھر ساتھ ہی اس عید میں ساری دنیا کے صاحب ِحیثیت مسلمان قربانی کا عمل ادا کرتے ہیں، جو خود سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہونے کی حیثیت سے ایک بہت عظیم ایمانی اور روحانی پیغام ہے۔

آگے مزید دیکھئے کہ مسلمانوں کی دونوں عیدیں جب شروع ہوتی ہیں، تو اُس دن کا آغاز دو رکعت نمازِ عید واجب سے ہوتا ہے اور مسلمان یہ نماز ادا کرکے اس بات کا عملی اظہار کرتے ہیں کہ ہماری عید صرف وہ ہی ہے، جس میں ہمارے رب تعالیٰ جل شانہ کی خوشنودی اور رضامندی ہو۔ جس بندے سے اُس کا خالق ومالک ناخوش ہو، اُس کیلئے بھلا خوشی کا کیا مطلب اور مسرت کا کیا موقع ہے۔

اسلام نے خوشی اور مسرت کے اظہار سے منع نہیں کیا اور جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ دینی زندگی اختیار کرنے کا مطلب صرف خشک مزاجی اور روکھا پن ہے تو ایسے شخص کو چاہیے کہ وہ رحمت ِدوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت ِطیبہ کا مطالعہ کرے، جہاں اُسے زندگی اپنی تمام تر حقیقی رعنائیوں اور خوبصورت رنگینیوں کے ساتھ نظر آئے گی۔ خوش مزاجی، دائمی تبسم، خندہ پیشانی، بامعنیٰ اور برمحل تبصرے اور پُرلطف جاندار جملے، یہ سب کچھ اُس نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے ہر ورق پر ہمیں مل جائے گا، جنہیں قیامت تک کے انسانوں کیلئے "اسوۂ حسنہ" قرار دیا گیا ہے۔

البتہ اسلام نے ایسی تفریحات سے ضرور روکا ہے جو معاشرے میں خرابیوں کے جنم

لینے کا باعث بنیں یا اُن سے کسی قسم کی اخلاقی بے راہ روی پیدا ہو۔ اسلام نے جن کاموں پر پابندی عائد کی جیسے شراب نوشی، جُوا، مرد وزن کا اختلاط اور دیگر ایسے تمام فواحش و منکرات، تو اس پابندی میں ہی انسانی معاشرے کی بقاء اور صلاح پوشیدہ ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی انسانوں نے ان پابندیوں کو توڑ کر مادر پدر آزادی کا مظاہرہ کیا تو نتیجے میں ایسے اخلاقی بگاڑ اور انسانی بحران پیدا ہوئے کہ انسانیت کا سر شرم سے جھک گیا۔

اسلام سے قبل دورِ جاہلیت میں اہل مدینہ دو تہوار مناتے تھے جو جاہلی مزاج و تصورات اور جاہلی روایات کے آئینہ دار ہوتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان قدیمی تہواروں کو ختم کر کے ان کی جگہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ دو تہوار اس امت کے لئے مقرر فرما دیئے جو اس کے دینی مزاج اور اصول حیات کے عین مطابق اور اس کی تاریخ و روایات اور عقائد و تصورات کی پوری آئینہ دار ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اہل مدینہ (جن کی کافی تعداد پہلے ہی سے اسلام قبول کر چکی تھی) دو تہوار منایا کرتے تھے اور ان میں کھیل تماشے کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ: یہ دو دن جو تم مناتے ہو ان کی کیا حقیقت اور حیثیت ہے؟ (یعنی تمہارے ان تہواروں کی کیا اصلیت اور تاریخ ہے؟) انہوں نے عرض کیا: ہم جاہلیت میں (یعنی) اسلام سے پہلے یہ تہوار اسی طرح منایا کرتے تھے (بس وہی رواج ہے جو اب تک چل رہا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ان دو تہواروں کے بدلہ میں ان سے بہتر دو

دن تمہارے لئے مقرر کر دیئے ہیں۔(اب یہی تمہارے قومی اور مذہبی تہوار ہیں) یوم عید الاضحی اور یوم عید الفطر۔(سنن ابی داؤد)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ عید کا دن مبارک اور خوشی کا موقع ہوتا ہے۔مسلمانوں کو اپنی خوشی کافروں کی طرح نہیں منانی چاہئے۔ناچ گانا،فحاشی عریانی،عورتوں مردوں کا مخلوط اجتماع اور ٹی وی فلم وغیرہ دیکھنا سب اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والے کام ہیں۔یہ خوشی جس رب نے عطا کی ہے،ہر لمحہ اس کو خوش رکھنے والے کام کرنے چاہئیں۔اسی طرح عید کے موقع پر ہمیں امت مسلمہ کے مظلوم مردوں عورتوں اور بچوں کو بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ان سب سے ہمارا کلمہ طیبہ لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا مضبوط رشتہ ہے۔بے شک سچ ہے کہ:

اخوت اس کو کہتے ہیں، چبھے کانٹا جو کابل میں

تو ہندوستان کا ہر پیرو جوان بے تاب

ہو جائے

اللہ تعالیٰ اس عید کو پوری امت مسلمہ کے لیے خوشیوں،مسرتوں،رحمتوں،برکتوں اور آزادیوں کا پیغام بنائے۔(آمین)

والسلام

محمد منصور احمد عفا اللہ عنہ

حضرت امیر المجاہدین مولانا محمد مسعود ازہر حفظہ اللہ تعالیٰ

ایمانی جھونکے

اللہ اکبر ، اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر،

اللہ اکبر وللہ الحمد

رمضان المبارک جا رہا ہے......بس چند دن رہ گئے......

اور عید کا دن آ رہا ہے تاکہ......اہل ایمان خوشیاں منائیں......

اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اسلام اور ہدایت کی نعمت عطاء

فرمائی......اُن کو ایمان اور جنت کے لئے چن لیا......اور اُن کو

اپنے فضل سے کامیابی عطاء فرمائی......

لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ

تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور عظمت بیان کرو......اس نعمت کے شکرانے میں کہ اُس نے تمہیں ہدایت عطاء فرمائی......

اللہ اکبر، اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر، اللہ اکبر وللہ الحمد

دو باتیں دل میں بٹھانی ہیں......پہلی یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی سب سے بڑا ہے......اور دوسری یہ کہ ہدایت کی نعمت......یعنی اسلام کی توفیق ملنا ہی سب سے بڑی نعمت ہے......

جس کے دل میں یہ دونوں باتیں بیٹھ چکی ہیں......وہ شکر ادا کرے......لمبے لمبے سجدے کرے......

اور جس کے دل میں ابھی کچھ کھوٹ ہے......وہ اللہ تعالیٰ کو سب سے بڑا کہتا تو ہے مگر دل میں اور بہت سے افراد کی......اور بہت سی چیزوں کی بڑائی بٹھا رکھی ہے......اور جو اسلام کو سب سے بڑی نعمت کہتا تو ہے مگر سمجھتا نہیں......تھوڑی سی مالی تنگی، تھوڑی سی جسمانی آزمائش اور چھوٹی چھوٹی تکلیفوں پر گھبرا کر......اسلام کی نعمت کو بھول جاتا ہے......اس نعمت پر شکر ادا کرنا بھول جاتا ہے......وہ توبہ کرے، استغفار کرے، آنسو بہائے اور اپنے دل کا علاج کرے......ارے دنیا بھر کی ساری نعمتیں اسلام کے مقابلے میں خاک کے ایک ذرے برابر بھی نہیں......اور دنیا بھر کی ساری طاقتیں اللہ تعالیٰ کے سامنے مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں......

دل سے پڑھیں:

اللہ اکبر، اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر، اللہ اکبر وللہ الحمد

شیطان نے دنیا کی چیزوں کو......لوگوں کی نظر میں مزین، معزز اور خوشنما کر دیا ہے......طرح طرح کے گھر اور بنگلے......طرح طرح کی گاڑیاں اور سواریاں......طرح طرح کے لباس اور ملبوسات......طرح طرح کے رنگ برنگے لائف اسٹائل......لوگ انہی پر مر رہے ہیں......انہی پر جی رہے ہیں......اور پھر موت کا جھٹکا آتا ہے تو......اندھیرا ہی اندھیرا چھا جاتا ہے......وہ جن کے پاس ''اسلام'' کی روشنی نہیں ہے......وہ مرتے ہی خوفناک اندھیروں میں ڈوب جاتے ہیں......فرشتے اُن کی ارواح کو لے کر آسمان کی طرف جاتے ہیں تو آسمان کے فرشتے......اُن کی ارواح کو وہاں سے دھکا دے کر گرا دیتے ہیں......اللہ، اللہ......اتنی اونچائی سے گرنے والوں کا حال کیا ہو گا؟......وہ گرتے گرتے زمین پر آتے ہیں تو زمین بھی ان کو نیچے دھکا دے دیتی ہے......کیونکہ زمین ان کے وجود سے تنگ ہوتی ہے......وہ بڑے حکمران ہوں یا بڑے بڑے سائنسدان......وہ اربوں پتی سرمایہ دار ہوں یا سونے چاندی میں کھیلنے والے سیٹھ......وہ بڑے نامور فنکار ہوں یا مشہور کھلاڑی یا اداکار......اسلام کی نعمت سے محروم مرے تو اب عذاب ہی عذاب ہے......

اور ایک ہی آواز ہے:

فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَاباً

یہ عذاب بھگتو اور یاد رکھو! اب ہم تمہارا عذاب بڑھاتے ہی چلے جائیں گے......اب اس عذاب سے خلاصی کی کوئی صورت نہیں......گاڑیاں، بنگلے، نوکر، ملازم اور سیلوٹ کرنے والے اب تمہارے کسی کام کے نہیں......اور جو چیز کام کی تھی وہ تمہارے پاس موجود

نہیں...... پھراُن کی ارواح کو مقام ”سِجّین“ پر لے جا کر قید کر دیا جائے گا...... یہ ایک بڑا پتھر ہے......جس سے ہر وقت دھواں نکلتا رہتا ہے......اور اس کے ارد گرد گرمی ہے، آگ ہے اور عذاب ہے...... یااللہ! آپ کی پناہ...... یااللہ! اسلام کی نعمت پر اربوں بار شکر...... دل کی گہرائی سے شکر...... بے شمار شکر......

اللہ اکبر، اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر، اللہ اکبر وللہ الحمد

اللہ تعالیٰ نے زمین پر رزق اُتارا ہے......کسی کو زیادہ دیا اور کسی کو تھوڑا......جن کو اسلام اور ایمان کی نعمت ملی......ان کو اگر رزق کم بھی ملا تو انہوں نے فکر نہیں کی......لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے......اور کافروں کے سفارتخانوں پر لائن لگانے کی بجائے...... انہوں نے اپنے ضروریات کو محدود کرلیا...... وہ اپنے اسلام پر راضی رہے......تب ان کے فقر و فاقے میں ایسا سکون رکھ دیا گیا جو بادشاہوں کو......خوابوں میں بھی نہیں ملتا......

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک انصاری صحابی کو دیکھا کہ......فقر و فاقے اور بیماری کی وجہ سے بہت سخت حالت میں ہیں......نہ مال تھا نہ صحت...... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی ایسی خستہ حالت دیکھی تو ایک وظیفہ ارشاد فرمایا کہ...... یہ پڑھو گے تو حالت سدھر جائے گی......اُن انصاری کا ایمان بہت بلند تھا......فرمانے لگے میں ان دو چیزوں یعنی فقر و فاقے اور بیماری کے بدلے بڑی سے بڑی نعمت لینے کو بھی تیار نہیں......حضرت آقا مدنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی تعریف فرمائی کہ......جو اپنی ایسی حالت پر اللہ تعالیٰ سے راضی ہو اس کا مقام بڑے بڑے اعمال کرنے والوں سے بھی بہت اونچا ہے......

آج جس کے پاس عید کا نیا جوڑا نہ ہو وہ آہیں بھرتا ہے......جس کے پاس عید کا نیا جوتا نہ ہو وہ آنسو بہاتا ہے......جس کے بچوں کو عید پر زیادہ عیش نہ ملے وہ شکوے برساتا ہے...... یہ نہیں سوچتا کہ...... اصل نعمتیں اللہ تعالیٰ نے ہر غریب اور ہر امیر کو وافر عطاء فرمائی ہیں...... اسلام کی نعمت، ایمان کی نعمت، قرآن کی نعمت، رمضان کی نعمت...... روزوں اور تراویح کی نعمت...... جہاد کی نعمت...... ان نعمتوں کو ہر غریب سے غریب آدمی بھی حاصل کر کے...... آخرت کا بادشاہ بن سکتا ہے......

پھر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیوں نہیں کرتے؟......

اللہ اکبر، اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر، اللہ اکبر وللہ الحمد

بھائیو! اور بہنو! عید کا دن آرہا ہے......خوشی اور مسکراہٹ کا دن......

اس دن ایمان والوں کو دیکھ کر زمین بھی مسکراتی ہے......آسمان بھی مسکراتا ہے......فضائیں اور ہوائیں بھی مسکراتی ہیں...... ارے زمین سے لے کر عرش تک جشن کا سماں ہوتا ہے کہ......ایمان والوں کو پورے ایک مہینہ کے روزے نصیب ہوئے......ایک مہینہ کی تراویح نصیب ہوئی......ایک مہینہ کی مقبول عبادت نصیب ہوئی......اور آج ان سب کو ''انعام'' ملنے والا ہے...... سبحان اللہ! سب سے بڑا انعام...... جی ہاں! مغفرت کا انعام......اس سے بڑی خوشی اور کیا ہو گی......تقریب انعامات کا دن......اس سے بڑا جشن کیا ہوگا......اپنے محبوب رب کی رضا کا دن......اس سے بڑی فرحت اور کیا ہو گی کہ اپنے رب کی تکبیر اٹھانے اور اپنے رب کا شکر ادا کرنے کا دن......

اللہ اکبر، اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر، اللہ اکبر وللہ الحمد

عید کے دن پہلا کام یہ کہ...... دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بڑائی اور زبان پر اس کی ''تکبیر'' ہو...... دنیا کی ہر طاقت کا رعب دل سے نکال دینا ہے...... ارے سائنس نے ایسی کوئی ترقی نہیں کر لی کہ ہم نعوذ باللہ اسے سجدے کرتے رہیں...... جب بجلی نہیں تھی تو لوگوں کے پاس روشنی کا انتظام آج کے زمانہ سے زیادہ اچھا تھا......کوئی اندھیرے میں نہیں مرتا تھا......لوگ سفر کرتے تھے......اور بہت صحت مند تھے...... وہ آج کے لوگوں کی طرح پلاسٹک کی بوتلیں اور گیس کے سلنڈر نہیں تھے......منوں وزنی تلواریں ہاتھ کے پنکھے کی طرح گھماتے تھے......اور بھاری کمانوں سے تیروں کی بوچھاڑ کرتے تھے...... سائنس ہر زمانے میں موجود رہی ہے......کیونکہ انسان اللہ تعالیٰ کا زمین پر خلیفہ ہے...... اور اپنی ضرورت کے مطابق سمندروں، پہاڑوں، ہواؤں اور عناصر کو اپنے کام میں لاتا رہتا ہے......آج کی سائنس تو دہشت گردی ہے اور غلاظت...... پورے خطہ زمین کو زہریلی گیسوں سے بھر دیا......اور انسان کو ایک بے وزن کھلونا بنا دیا...... افسوس کہ مسلمانوں نے عمومی طور پر جہاد کو چھوڑ رکھا ہے...... اگر زمین پر جہاد ہوتا تو زمین کی حکومت عقلمند انسانوں کے ہاتھ ہوتی جو......سائنس کو انسان کا غلام بناتے نہ کہ......انسان کو سائنس کا غلام......

اور اب تو نعوذ باللہ کئی بدعقل لوگ...... دین اور قرآن کو بھی سائنس کا غلام بنانے پر تلے ہیں......اپنے دل سے ان سب بے حیا اور بدکار کافروں کی عظمت نکالنی ہے......امریکہ اور یورپ کی عظمت دل سے ختم کرنی ہے...... یہ سب اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے اڑتا ہوا

غبار بھی نہیں ...... اللہ ہی سب سے بڑا ہے اور اللہ ایک ہے......

اللہ اکبر، اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر، اللہ اکبر وللہ الحمد

عید کا دوسرا کام یہ کرنا ہے کہ...... اپنے دل کو...... حقیقی نعمت یعنی اسلام کی یاد دلا کر خوش کرنا ہے...... عید کا دن رونے پیٹنے اور دنیا کے غموں کو اپنے اوپر مسلط کرنے کا دن نہیں...... یہ شکر اور خوشی کا دن ہے...... اور شکر اور خوشی ان نعمتوں پر جو اصل اور قیمتی نعمتیں ہیں...... الحمد للہ ہمارے پاس کلمہ طیبہ ہے...... الحمد للہ ہمیں رمضان المبارک ملا...... الحمد للہ ہمیں روزوں کی توفیق ملی...... الحمد للہ ہمیں رمضان المبارک میں جہاد میں نکلنے یا جہاد کی خدمت کی توفیق ملی...... ہمیں زیادہ تلاوت، زیادہ صدقے اور زیادہ عبادت کی توفیق ملی...... ہمیں حضرت آقا مدنی ﷺ جیسے نبی، قائد اور رہبر ملے...... اللہ اکبر یہ کتنی بڑی نعمت ہے؟...... دنیا بھر کے کافر ہزار دولت کے باوجود...... حضرت آقا مدنی ﷺ سے محروم ہیں...... آپ بتائیے اس سے بڑی محرومی اور کیا ہو سکتی ہے؟...... حضرات صحابہ کرام کو جب حضور پاک ﷺ مل گئے تو انہوں نے کیسی عظیم قربانیاں دے کر...... اس نعمت کی قدر کی......

آج کوئی نظم پڑھ رہا تھا کہ...... سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ نے جب آپ ﷺ کو کفن مبارک میں دیکھا ہوگا تو...... ان پر کیا گزری ہوگی؟...... یہ الفاظ سن کر دل تڑپنے لگا اور آنکھیں رونے لگیں...... بلال نے تو بڑی قربانیاں اٹھا کر حضرت آقا مدنی ﷺ کو پایا تھا...... ہم نے کیا قربانی دی؟...... حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد

مدینہ طیبہ بھی نہ رہ سکے...... محاذوں پر چلے گئے کہ کب شہادت ملے اور حضرت آقا مدنی ﷺ سے ملاقات ہو...... اور جدائی کا یہ بھاری زمانہ ختم ہو...... ہم جب چاہیں آپ ﷺ پر درود و سلام بھیج سکتے ہیں...... اور وہاں سے جواب بھی آتا ہے...... یہ کتنی بڑی نعمت ہے......

عید کے دن ان بڑی بڑی عظیم نعمتوں کو یاد کر کے...... اپنے دل کو خوشی پر اور اپنے ہونٹوں کو مسکراہٹ پر لانا ہے...... ہم لاکھ گناہگار سہی...... مگر الحمد للہ مسلمان تو ہیں...... حضرت آقا مدنی ﷺ کے امتی تو ہیں...... یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے......

اللہ اکبر، اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر، اللہ اکبر وللہ الحمد

رمضان المبارک آیا...... اور اب جا رہا ہے...... مگر رمضان المبارک کا اختتام عید کی خوشی پر ہوگا...... بس اسی سے یہ سبق سیکھیں کہ...... ہم بھی دنیا میں آئے اور ایک دن ضرور یہاں سے چلے جائیں گے...... کیا ہمارا اختتام بھی عید جیسی خوشی پر ہوگا؟...... جی ہاں! اگر ہم اپنی پوری زندگی رمضان المبارک کی ترتیب پر گزاریں...... خوشی خوشی شریعت کی پابندی برداشت کریں...... اور ان پابندیوں کو اپنے لئے نعمت سمجھیں...... کیا کھانا ہے اور کیا نہیں کھانا...... کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا...... ہر وقت نفس کی خواہشات پوری نہیں کرنی...... ہر وقت لذتوں کی فکر میں نہیں رہنا...... پس جو اس طرح پابندی والی زندگی گزارے گا...... اس کی موت کا دن، رمضان المبارک کے بعد والے دن کی طرح ہوگا...... یعنی عید کا دن...... خوشی کا دن...... پابندیاں اٹھ جانے اور عیش و عشرت ملنے کا دن...... تب اس کی روح اس دن خوشیاں مناتی ہوئی...... تکبیر پڑھتی ہوئی مقام ''عِلّیّین'' کی طرف لے جائی جائے

گی...... یہ مقام آسمانوں کے اوپر ہے...... وہاں ایک کتاب رکھی ہوئی ہے...... ہر مومن کی روح کو وہاں لے جا کر...... اس کتاب میں اس کا نام لکھ دیا جائے گا...... اور پھر قیامت تک اس کے درجے کے مطابق...... کسی اچھی جگہ قیام کی ترتیب بن جائے گی...... یا اللہ! ہمیں بھی ان میں شامل فرمالیجئے......

اللہ اکبر، اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر، اللہ اکبر وللہ الحمد

رمضان المبارک کی رات ہے...... اس لئے اپنی آج کی مجلس بھی مختصر کرتے ہیں...... بس آج کی آخری بات یہ ہے کہ...... تھوڑا سا سوچیں! رمضان المبارک تو سب پر آیا...... کافروں پر بھی آیا اور مسلمانوں پر بھی...... اہل تقویٰ پر بھی آیا اور فاسقوں فاجروں پر بھی...... مگر یہ رمضان المبارک کس کے لئے...... رحمت اور خوشی کا ذریعہ بنا؟...... یقیناً مسلمانوں کے لئے اور مسلمانوں میں سے بھی ان کے لئے جنہوں نے...... رمضان المبارک کی قدر کی...... اور اس میں قربانی دی...... روزہ کی حالت میں بھوک پیاس کی قربانی...... راتوں کو جاگ کر نیند کی قربانی...... عبادت میں لگ کر راحت کی قربانی...... صدقہ خیرات دے کر مال کی قربانی...... جہاد میں نکل کر اور جہادی محنت میں لگ کر...... جان و دل کی قربانی...... جنہوں نے قربانی دی رمضان ان کا ہوگیا...... اور ان کے نامہ اعمال کی روشنی بن گیا...... اور ان کے لئے آخرت میں محفوظ ہوگیا...... مگر جنہوں نے نہ رمضان المبارک کو مانا...... نہ اُس میں روزہ اور عبادت کی قربانی دی...... ان کے لئے رمضان جیسی نعمت بھی...... کسی کام نہ آئی...... بس اسی طرح ہم میں سے ہر ایک کے پاس

زندگی کی نعمت موجود ہے......جو اس میں قربانی دے گا وہ اس زندگی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پالے گا...... اور جو اس زندگی کی نعمت کو......فضول خواہشات میں ضائع کر دے گا......وہ مرتے ہی زندگی سے اور ہر طرح کے آرام سے محروم ہو جائے گا......

الحمد للہ ہماری جماعت کے پاس......زندگی کو زندگی بنانے کا بہترین نصاب موجود ہے......

کلمہ طیبہ......اقامت صلوٰۃ اور جہاد فی سبیل اللہ کی محنت......

یہ ایک جامع نصاب ہے...... یہ کامیابی والا عقیدہ، کامیابی والا ماحول......اور کامیابی والا راستہ دیتا ہے......آئیے! اس عظیم محنت میں شامل ہو جائیے......تاکہ......زندگی کی انمول نعمت...... ہمارے لئے واقعی ہمیشہ کی نعمت بن جائے......

الله اکبر ، الله اکبر لا اله الا الله والله اکبر ، الله اکبر و لله الحمد

لا اله الا الله، لا اله الا الله، لا اله الا الله محمد رسول الله

اللهم صل علی سیدنا محمد و اله و صحبه و بارك وسلم تسلیما

كثیرا كثیرا

لا اله الا الله محمد رسول الله

3

محمد منصور احمد

جامع، مستند، آسان

مختصر تاریخِ اسلام

سبق نمبر 15

جنگِ قادسیہ

جب حضرت عمرؓ خلیفہ بنے، تو انہوں نے عراق کی طرف ابوعبید ثقفی کو بھیجا، انہوں نے فارس کے لشکروں سے زبردست جنگ کی، لیکن ان کے لشکر کو جسر کی لڑائی میں شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو قادسیہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا۔ وہاں مسلمان فوج کا فارسی (ایرانی) فوج سے سامنا ہوا، جن کی تعداد تیس ہزار تھی، اور رستم کی قیادت میں تھی، جب کہ مسلمانوں کی تعداد آٹھ ہزار کے قریب تھی۔ جنگ بہت شدید ہوئی اور آخر کار مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی مدد اور فارسی (ایرانی) لشکر کی شکست کے ساتھ اپنے انجام کو پہنچی، اور اُن کا سپہ سالار رستم مارا گیا۔ یہ واقعہ ہجرت کے پندرھویں سال پیش آیا۔ مسلمانوں کو بہت زیادہ مالِ غنیمت ملا۔ حضرت سعدؓ اس کے بعد رُکے نہیں بلکہ اگلے سال جلولاء کے مقام پر فارسیوں کا تعاقب کیا، اور ان کی بڑی تعداد کو مارا۔ پھر انہوں نے کوفہ کو اپنا مرکز بنا لیا، اور وہاں جامع مسجد کی بنیاد رکھی۔ پھر انہوں نے مدائن (جو کسریٰ کا دارالحکومت تھا) کا دو مہینے محاصرہ کرنے کے بعد اس پر قبضہ کر لیا۔ فارس کا بادشاہ یزدجرد بھاگ گیا۔ پانچ سال بعد، ہجرت کے اکیسویں سال مسلمانوں کو نہاوند کے مقام پر فارسیوں پر فتح اور غلبہ حاصل ہو گیا۔ یزدجرد مشرقی سرحدوں کی طرف بھاگ نکلا، اور اس کی سلطنت بکھر گئی، اور اکاسرہ (فارس کے بادشاہوں) کا دورِ حکومت ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔

مسلمانوں نے کوفہ کو آباد کیا، جیسے انہوں نے بصرہ کو آباد کیا تھا۔ فارسی لوگ اسلام میں داخل ہوئے، اور عرب مسلمانوں کے ساتھ گُھل مل گئے، اور اسلامی ریاست میں ایک مفید اسلامی حصہ بن گئے۔

حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اسلامی لشکر رومیوں سے جنگ جاری رکھیں۔ چنانچہ مسلمانوں نے رومیوں پر متعدد فتوحات حاصل کیں اور حمص، حماۃ، لاذقیہ، حلب، بیسان اور طبریہ پر قبضہ کرلیا۔

سوالات جن کے جوابات آپ گزشتہ عبارت پر غور کر کے دے سکتے ہیں:

(۱) قادسیہ کی جنگ کس طرح ختم ہوئی؟ اور اس کے کیا نتائج تھے؟

(۲) کس طرح بادشاہانِ کسریٰ کی حکومت کا خاتمہ ہوا؟

(۳) فارسی لوگ کس طرح ایک فعال اسلامی عُنصر بن گئے؟

(۴) مسلمانوں نے حضرت عمرؓ کے دور میں بیت المقدس کی فتح سے پہلے کون کون سی فتوحات حاصل کیں؟

سبق نمبر 16

بیت المقدس اور مصر کی فتح

سن 16 ہجری میں بیت المقدس فتح ہوا، اور خلیفۂ وقت حضرت عمر بن خطابؓ خود وہاں تشریف لائے، اور شہر کی چابیاں ان کے حوالے کی گئیں۔ اس طرح پورا رومی شام، اسلامی سلطنت کے دائرے میں آگیا اور اسلامی ریاست بن گیا۔

اس کے بعد حضرت عمرو بن العاص ؓ نے حضرت عمر ؓ سے مصر کی فتح کی اجازت چاہی۔تو حضرت عمر ؓ نے انہیں چار ہزار مجاہدین کا لشکر دے کر روانہ کیا۔مسلمانوں کا رومی لشکر سے سامنا ہوا، مسلمان قلعہ "بابلیون" میں داخل ہو گئے، اور اسکندریہ کو فتح کرلیا۔ اس طرح پورا مصر فتح ہو گیا۔اور اہلِ مصر نے مسلمانوں کا خیر مقدم کیا، تا کہ وہ انہیں رومی حکومت اور ان کے ظلم و ستم سے نجات دیں، اور انہوں نے مسلمانوں کی جانی اور مالی ہر طرح کی مدد کی۔جب مسلمان مصر میں داخل ہوئے تو حضرت عمرو بن العاص ؓ نے قبطیوں کو اختیار دیا کہ چاہیں تو اسلام قبول کریں، اور اگر اپنے دین پر باقی رہنا چاہیں تو جزیہ ادا کریں۔

حضرت عمر بن الخطاب ؓ کے عظیم کارنامے

حضرت عمر بن خطاب ؓ کی اصلاحات اور ان کی عظیم تعمیری خدمات میں سے چند یہ ہیں:

بصرہ کو آباد کرنا:

سنہ 16 ہجری میں حضرت عمر ؓ نے بصرہ کو آباد کیا۔مسلمانوں نے بصرہ میں رہائش کو اس لیے پسند کیا کہ وہ مدائن جیسے بڑے شہروں میں رہنے کے عادی نہیں تھے۔جلد ہی بصرہ ہندوستان اور چین سے تجارت کے لیے ایک اہم اسلامی مرکز بن گیا۔

کوفہ کو آباد کرنا:

مسلمانوں نے 17 ہجری میں کوفہ کی بنیاد رکھی۔

فُسطاط کو آباد کرنا:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے سنہ 20 ہجری میں قلعہ بابلیون کے قریب فسطاط کی بنیاد رکھی۔فسطاط کا علاقہ بہت وسیع ہوا،اور چونکہ اس کا محلِ وقوع دریائے نیل کے سنگم پر تھا، اس لیے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے لیے سرزمینِ مصر کے بحری اور برّی حصوں پر نظر رکھنا آسان ہو گیا۔انہوں نے فسطاط کو اپنی حکومت کا مرکز بنا لیا۔

"فُسطاط" کے نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا "فُسطاط" یعنی خیمہ (جس میں ایک کبوتری نے اس وقت انڈے دے دیے تھے، جب آپ رومیوں کے خلاف جنگ کے لیے جا رہے تھے) اسی جگہ نصب تھا، سن 21 ہجری میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنی مشہور جامع مسجد تعمیر کی، جو مصر اور افریقہ کی سب سے قدیم جامع مسجد ہے۔اسے "المسجد الجامع" اور "تاج الجوامع" بھی کہا جاتا ہے۔

سوالات جن کے جوابات آپ گزشتہ عبارت پر غور کر کے دے سکتے ہیں:

(1) بیت المقدس کی فتح کب ہوئی؟

(2) اس عظیم فتح کا نتیجہ کیا نکلا؟

(3) مصر کس طرح فتح ہوا؟

(4) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر پر قبضہ کرنے کے بعد کیا اقدامات کیے؟

(5) .بصرہ کب آباد کیا گیا؟

(6) مسلمان وہاں رہنے کو کیوں پسند کرتے تھے؟

(7) کوفہ کب بنا؟

(8) "فُسطاط" کب اور کیوں بسایا گیا؟

(9) "فسطاط" کو یہ نام کیوں دیا گیا؟

(10) جامع عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کب تعمیر ہوئی اور اسے کیا نام دیا گیا؟

سبق نمبر 17

مسلمان کو فتوحات کیوں حاصل ہوئیں؟

بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تعداد میں کم ہونے کے باوجود عرب مسلمان مسلسل فتوحات کس وجہ سے حاصل کرتے رہے، اور انہوں نے کس طرح اس وقت کی دو سب سے بڑی طاقتوں فارس اور روم کو ختم کر دیا۔

اسلام کی عظیم فتوحات کا بنیادی سبب اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت تھی، جو اس نے اپنے مومن بندوں کو عطا فرمائی۔ اس کے بعد کچھ مادی اسباب تھے، جن میں سے چند یہ ہیں:

(1): روم اور فارس کی کمزوری: روم اور فارس اس وجہ سے کمزور ہو چکے تھے کہ دونوں سلطنتیں کئی صدیوں سے مسلسل آپس میں مصروفِ جنگ تھیں۔ قرآنِ مجید نے سورۂ روم میں اس باہمی ٹکراؤ کا نقشہ وہاں کھینچا ہے جہاں روم کے فارس سے مغلوب ہو جانے کے بعد دوبارہ جلد غالب آنے کا تذکرہ فرمایا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"روم مغلوب ہو گئے ہیں، نزدیک کی سرزمین میں۔ لیکن وہ اپنی اس شکست کے بعد چند سالوں میں غالب آجائیں گے۔ پہلے بھی حکم اللہ ہی کا تھا اور بعد میں بھی۔ اور اس دن

مومن اللہ کی مدد پر خوش ہوں گے۔ اللہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے، اور وہ زبردست، مہربان ہے۔“

ان دو عظیم الشان طاقتوں کی فوجوں کو مسلسل باہمی لڑائیوں اور اختلافات نے کمزور کر دیا تھا۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسلام کے شاہینوں کو ان کے مقابلے کے لیے روانہ کیا تو اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں کی قوت توڑنے کے لیے، فتح کے جھنڈے لہرانے میں کچھ دیر نہ لگی۔

(2): بھاری ٹیکسوں کا بوجھ جو روم اور فارس نے اپنی رعایا پر عائد کر رکھے تھے، جنہوں نے عوام کے کندھوں کو بوجھل کر رکھا تھا۔ لوگ ان دو سلطنتوں کی اس غلامی اور ذلّت سے نجات چاہتے تھے۔ چنانچہ جب مسلمان آئے تو انہوں نے ان کا خیر مقدم کیا، ان کی مدد کی، ان کے لیے خوراک اور سامان فراہم کیا، اور انہیں رومیوں اور فارسیوں کے خلاف ابھارا۔

(3): عربوں کی سادگی اور دنیا سے بے رغبتی، اپنے لیے اور اپنے گھوڑے کے لیے تھوڑے سے توشے پر قناعت کر لینا مسلمان آدمی کی فطرت میں داخل ہے، جبکہ اس کے برعکس رومی اور ایرانی لوگ عیش و عشرت اور کھانے پینے میں عیاشی اور فضول خرچی کے عادی تھے۔

(4): مذہبی ظلم و ستم، جس کا سامنا ان دو سلطنتوں کے زیرِ تسلط رعایا کو رہتا تھا، شام اور مصر کے زیادہ تر لوگ ایک عام رومی مذہب سے الگ مذہب کے پیروکار تھے۔ رومی

حکومت نے ان پر سخت ظلم وستم کیے، اور ان کے علماء اور پادریوں کو منتشر کر دیا۔ جب انہیں مسلمانوں کی رواداری اور برداشت کے بارے میں معلوم ہوا تو وہ بے قرار ہو کر اسلام کے زیرِ سایہ آنے کے لیے مشتاق ہو گئے۔

(5): (فوجوں میں) نسلوں کا فرق: اسلامی فوجوں کے افراد نسل، زبان اور جذبات میں ایک جیسے تھے؛ اس وجہ سے ان میں باہم ہم آہنگی آسان تھی۔ اس کے برعکس روم اور فارس کی فوجیں مختلف نسلوں اور زبانوں کا مجموعہ تھیں، جن میں آپس میں ہم آہنگی کم تھی اور سمجھوتا مشکل ہو جاتا تھا۔

(6): دین کا جوش وجذبہ، دینِ اسلام مسلمانوں کے دلوں میں رچا بسا ہوا تھا، وہ دین کی نشر واشاعت میں فنا تھے، ایک مسلمان دین کی سربلندی کے لیے اپنی جان تک معمولی سمجھتا تھا، یہی دینی جوش و جذبہ اہلِ فارس اور اہلِ روم کے خلاف جنگ میں مسلمانوں کے ثابت قدم رہنے اور اہلِ روم اور اہلِ فارس کی شکست کو واضح کرتا ہے، مسلمانوں کا مقصد یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ کا سچا دین زمین کے مختلف حصوں تک پہنچ جائے۔

سوالات جن کے جوابات آپ گزشتہ عبارت پر غور کر کے دے سکتے ہیں:

(1) مسلمانوں نے فارس اور روم کے درمیان صدیوں پر محیط جنگوں سے کیسے فائدہ اٹھایا؟

(2) فارس اور روم کی فوجوں میں باہمی دشمنی اور انتشار کا نتیجہ کیا ہوا؟

(3) مسلمانوں نے جن علاقوں کو فتح کیا، وہاں کے لوگوں نے مسلمانوں کا کیوں خیر مقدم

کیا؟

(4) عرب کی سادگی اور دنیا سے بے رغبتی سے کیا مراد ہے؟

(5) مذہبی ظلم وستم نے کیسے دونوں ملکوں کے ختم ہونے میں اپنا کردار ادا کیا؟

(6) روم اور فارس کی صفوں میں مختلف نسلوں کے لوگوں کے ہونے کی وجہ سے انہیں مسلمانوں سے شکست ہوئی، اس کی وضاحت کریں۔

(7) وہ غرض وغایت کیا تھی جس کے لیے مسلمان جنگ کرتے تھے؟

سبق نمبر 18

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی شخصیت

اللہ تعالیٰ کی مدد کے ساتھ وہ مادی اسباب جنہوں نے مسلمانوں کے لیے ان کے دشمنوں پر فتوحات کو مقدر کر دیا تھا، ان کے ذکر کرنے کے بعد، اب ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عظیم شخصیت کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سب سے پہلے "امیر المومنین" کا لقب دیا گیا۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ سے کہا: "حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ تھے، اور آپ حضرت ابوبکر کے خلیفہ ہیں۔ اور جو آپ کے بعد آئے گا، وہ آپ کا خلیفہ کہلائے گا، تو وہ اللہ کے رسول کے خلیفہ کا خلیفہ ہوگا، اور اتنے سارے الفاظ بالنا ہمیں مشکل میں ڈال دے گا۔"

اس پر ایک صحابی نے کہا: "ہم مومن ہیں اور آپ ہمارے امیر ہیں، آپ امیر المومنین ہیں۔"

حضرت عمرؓ نے اس بات کو قبول کر لیا۔

حضرت عمرؓ کی دو صفتیں نمایاں تھیں:

(1) شدّت وسختی:

حضرت عمرؓ حق کے نفاذ اور شرعی حدود کے قیام میں سخت تھے۔ وہ باطل کے مقابلے میں حق کی پشت پناہی کرنے میں دشمن اور دوست، قریبی اور دور کے آدمی کے درمیان برابری کرتے، انہیں اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی تھی کہ لوگ ناراض ہوتے ہیں یا خوش۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ عمر پر رحم فرمائے، وہ حق بات کہتے ہیں چاہے کڑوی ہی کیوں نہ ہو، ان کے حق بات کہنے کی صفت نے انہیں ایسا کر چھوڑا ہے کہ ان کا کوئی دوست نہیں رہا۔" (الترمذی:3714)

(2) فراست ودانشمندی:

حضرت ابن سلامؓ نے فرمایا: "حضرت عمرؓ کو جو کوئی معاملہ پیش آتا تو اس کے متعلق کسی شعر کا مصرع پڑھ کر اس سے معاملے کا حل پیش کر دیتے تھے۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے: "تم سے پہلی امتوں میں بعض لوگ ایسے تھے جن کو الہام ہوتا تھا، اگر میری امت میں کوئی ایسا شخص ہے تو وہ عمر بن خطاب ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا۔

حضرت عمرؓ نے عدل و انصاف کے ایسے پیمانے قائم فرمائے جس کی نظیر پوری دنیا پیش نہیں کر سکتی۔ اور اسلامی ریاست کے امور کو سختی اور دانشمندی کے ساتھ بہترین

طریقے سے سنبھالا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ سے پکا عہد کر رکھا تھا کہ دنیا کی مشغولیت میں وہ آخرت سے کبھی غافل نہیں ہوں گے۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: "میں تمہارے مال (بیت المال) کے معاملے میں یتیم کے والی کی طرح ہوں، اگر مجھے وسعت اور استغناء حاصل ہوا تو میں تمہارے مال سے اپنے آپ کو بچا کر رکھوں گا، اور اگر ضرورت ہوئی تو عرف اور دستور کے مطابق اس میں سے استعمال کروں گا۔"

کسی نے پوچھا: اے امیر المومنین! یہ عُرف کے مطابق کھانا کیا ہوگا؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "پہاڑی جانور ڈاڑھوں سے اچھی طرح چبا کر کھانے کے بجائے صرف دانتوں سے کھانے پر اکتفاء کر لیتا ہے۔" (یعنی چارہ زیادہ کھانے کے بجائے تھوڑے سے چارے پر گزارہ کر لیتا ہے۔)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حدود اللہ اور شریعتِ اسلامیہ کے نفاذ کی بہترین مثال اپنے بیٹے ابوشحمہ یا عبدالرحمن الاوسط پر پیش کی، جس نے مصر میں کسی ساتھی کے ساتھ شراب پی لی تھی۔ مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس پر حد اپنے گھر کے صحن میں پوشیدہ طور پر جاری کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس بات (کہ گھر کے اندر حد جاری کی، برسرِ عام نہیں کی) پر غصہ آیا، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اس کو اونٹ پر سوار کر کے مدینہ بھیج دیں، آپ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں دوبارہ برسرِ عام ان پر حد جاری کی یہاں تک کہ وہ مرنے کے قریب پہنچ گئے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "جب تمہاری ملاقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سے ہوتو انہیں بتانا کہ عمرؓ حدود قائم کرتا ہے۔"

حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت

ایک دن حضرت عمرؓ بازار میں گشت فرما رہے تھے، تو وہاں ابولؤلؤۃ نام کا ایک غلام آپ سے ملا اور بولا: "اے امیر المومنین! مغیرہؓ بن شعبہ کے بارے میں میری مدد فرمائیں؛ کیونکہ مجھے ان کو بہت سا مقررہ خراج دینا ہوتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے پوچھا: تمہارا خراج (مقررہ آمدنی) کتنا ہے؟ ابولؤلؤہ نے کہا: روزانہ دو درہم۔

حضرت عمرؓ نے اس سے پوچھا: تمہارا پیشہ کیا ہے؟

اس نے جواب دیا: میں بڑھئی، نقاش اور لوہار ہوں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: مجھے تمہارا خراج تمہارے کاموں کے مقابلے میں زیادہ نہیں لگتا۔

پھر حضرت عمرؓ نے اسے حکم دیا کہ وہ ان کے لیے ایک چکی بنائے۔

ابولؤلؤہ نے جواب دیا: اگر تم چاہو، تو میں تمہیں ایسی چکی بنادوں گا جس کا شُہرہ مشرق ومغرب میں ہوگا۔

تیسرے دن صبح حضرت عمرؓ مسجد میں امامت کروا رہے تھے، تو ابولؤلؤۃ صفوں کو چیرتا ہوا پہنچا، اور خنجر سے چھ وار کیے، پھر اپنے آپ کو بھی خنجر گھونپ دیا۔

حضرت عمرؓ نے ۔جب آپ کے آخری سانس چل رہے تھے۔ تو اپنے بیٹے حضرت

عبداللہؓ کو وصیت کی کہ وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اجازت لے تاکہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے والد حضرت ابوبکرؓ کے پاس دفن کیا جائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اجازت دے دی۔ اللہ تعالیٰ حضرت عمرؓ پر رحم کرے، سن ۲۳ ہجری میں اپنے رب سے شہادت کی حالت میں ملے۔

سوالات جن کے جوابات آپ گزشتہ عبارت پر غور کر کے دے سکتے ہیں:

(1) حضرت عمرؓ کو "امیر المؤمنین" کا لقب کب اور کیسے ملا؟

(2) "اللہ تعالیٰ عمر پر رحم فرمائے، حق بات کہتے ہیں، اگرچہ کڑوی ہی کیوں نہ ہو۔۔۔" یہ الفاظ کس نے کہے؟ اور کس موقع پر کہے؟

(3) کی دو صفتیں نمایاں تھیں، ان کی وضاحت کریں۔

(4) حضرت عمرؓ کا عدل وانصاف اور زہد وتقویٰ بیان کریں۔

(5) حضرت عمرؓ کا بیت المال کے ساتھ کیا طرزِ عمل تھا؟

(6) شرعی حد کے نفاذ میں حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

(7) حضرت عمرؓ کیسے شہید ہوئے؟

(8) وفات سے پہلے حضرت عمرؓ نے کیا وصیت فرمائی؟

(9) ابولؤلؤۃ نے حضرت عمرؓ کو کیوں شہید کیا؟ اور شہادت کیسے واقع ہوئی؟

(10) حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت کا خلاصہ اپنے اسلوب میں بیان کریں۔

(جاری ہے)

اُم مجاہد

عیدِ مبارک

عید کی حقیقت

شوال شول سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں باہر نکلنا۔ چونکہ اہل عرب اس مہینہ میں سیر وسیاحت کیلئے گھروں سے باہر نکل جایا کرتے تھے، اس لئے اس ماہ کا نام شوال رکھا گیا۔

(غیاث اللغات)

عید الفطر

ہر قوم کے کچھ خاص تہوار اور جشن کے دن ہوتے ہیں جن میں اس قوم کے لوگ اپنی اپنی حیثیت اور سطح کے مطابق اچھا لباس پہنتے اور عمدہ کھانے پکاتے کھاتے ہیں، اور دوسرے طریقوں سے بھی اپنی اندرونی مسرت وخوشی کا اظہار کرتے ہیں، یہ گویا انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ اسی لئے انسانوں کا کوئی طبقہ اور فرقہ ایسا نہیں ہے جس کے ہاں تہوار اور جشن کے کچھ خاص دن نہ ہوں۔

اسلام میں بھی ایسے دو دن رکھے گئے ہیں: ایک عید الفطر اور دوسرا عید الاضحیٰ اور یہی مسلمانوں کے اصلی مذہبی وملّی تہوار ہیں۔

عید الفطر کی خوشیاں کیوں؟

رمضان المبارک ایک بہت بڑی نعمت ہے، اور ایک نعمت نہیں بلکہ بہت سی نعمتوں کا مجموعہ ہے، اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اس مہینے میں اپنے مالک کو راضی کرنے کے لئے دن رات عبادت کرتے ہیں، دن کو روزہ رکھتے ہیں، رات کو قیام کرتے ہیں، اور ذکر وتسبیح، کلمہ ودرود شریف کا ورد کرتے ہیں، اس لئے روزہ دار کو روزہ پورا کرنے کی بہت ہی خوشی ہوتی ہے، حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ روزہ دار کو دو خوشیاں نصیب ہوتی ہیں، ایک خوشی جو اس کو افطار کے وقت ہوتی ہے اور دوسری خوشی جو اسے اپنے رب سے ملاقات کے وقت ہوگی۔

یہی وجہ ہے کہ جب رمضان شریف ختم ہوا تو اس سے اگلے دن کا کام عید الفطر ہوا، ہر

دن تو ایک ایک روزہ کا افطار ہوتا تھا اور اس کی خوشی ہوتی تھی مگر عید الفطر کو پورے مہینے کا افطار ہو گیا، اور پورے مہینے کے افطار ہی کی اکٹھی خوشی ہوئی۔

دوسری قومیں اپنے تہوار کھیل کود میں یا فضول باتوں میں گزار دیتی ہیں، مگر اہل اسلام پر تو حق تعالیٰ شانہ کا خاص انعام ہے کہ ان کی خوشی کے دن کو بھی عبادت کا دن بنا دیا، چنانچہ رمضان شریف کے بخیر وخوبی اور بشوق عبادت گزارنے کی خوشی منانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے تین عبادتیں مقرر فرمائیں، ایک نماز عید، دوسرے صدقہ فطر اور تیسرے حج بیت اللہ (حج اگرچہ ذوالحجہ میں ادا ہوتا ہے مگر رمضان المبارک ختم ہوتے ہی یکم شوال سے موسم حج شروع ہو جاتا ہے۔) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/ ۳۲۸)

عیدین کی ابتداء کیسے ہوئی؟

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ (جن کی کافی تعداد پہلے ہی سے اسلام قبول کر چکی تھی) دو تہوار منایا کرتے تھے، اور ان میں کھیل تماشے کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ یہ دو دن جو تم مناتے ہو ان کی کیا حقیقت اور حیثیت ہے؟ (یعنی تمہارے ان تہواروں کو کیا اصلیت اور تاریخ ہے؟) انہوں نے عرض کیا کہ ہم جاہلیت میں (یعنی) اسلام سے پہلے یہ تہوار اسی طرح منایا کرتے تھے (بس وہی رواج اب تک چل رہا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ قَد أَبدَلَكُم بِهِمَا خَيرًا مِنهُمَا يَومَ الأَضحَى وَيَومَ الفِطرِ

اللہ تعالیٰ نے تمہارے ان دو تہواروں کے بدلہ میں ان سے بہتر دو دن تمہارے لئے مقرر کر دیئے ہیں (اب وہی تمہارے قومی اور مذہبی تہوار ہیں) یوم عید الاضحیٰ اور یوم عید الفطر۔ (سنن ابی داؤد: ۱/ ۴۴۱)

عید کی حقیقت

حضرت علامہ مولانا محمد مسعود ازہر حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دو عیدیں عطا فرمائی ہیں:

① عید الفطر ② عید الاضحیٰ

یہ سچی بات حضرت آقا مدنی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ارشاد فرمائی کہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے دو عیدیں عطا فرمائی ہیں (ابو داؤد) اب تیسری کوئی عید نہیں، چوتھی کوئی عید نہیں، قیامت تک مسلمانوں کی عیدیں دو ہی رہیں گی...... عید الفطر...... عید الاضحیٰ

دوسری بات یہ کہ "عید الفطر" بس ایک دن کی ہوتی ہے...... یکم شوال...... یہ عید دو دن یا تین دن کی نہیں ہوتی...... رمضان المبارک مکمل ہوا، اس سعادت کی خوشی میں عید آ گئی، اور ایک دن رہ کر چلی گئی، اللہ کرے خیر سے آئے اور خیر سے جائے۔

تیسری بات یہ ہے کہ عید خود آتی ہے اور خود جاتی ہے، لوگ عید کریں یا نہ کریں، عید منائیں یا نہ منائیں، رمضان المبارک ختم ہوتے ہی عید آ جاتی ہے، اپنے ساتھ خیر، خوشی، خوشخبری اور برکتیں لاتی ہے، بعض لوگ کہتے ہیں: اس سال ہمارے گھر میں وفات ہوئی ہے، ہم عید نہیں کر رہے، عید کرنے یا نہ کرنے کا کیا مطلب؟...... عید نہ نئے کپڑوں کا نام ہے

اور نہ ہلّا گُلّا کرنے کا، عید نہ کسی شور شرابے کا نام ہے اور نہ کسی خاص پکوان کا...... عید کا دن، رمضان المبارک اچھی طرح گزارنے والے مسلمانوں کیلئے ''یوم الجائزہ'' یعنی انعام کا دن ہے، عید کی صبح ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان سب کی مغفرت کر دی جاتی ہے، اور انہیں اجر و ثواب عطاء فرمایا جاتا ہے، اور یوں اُن کے لئے عید ہو جاتی ہے عید...... کئی لوگ عید کے دن لاکھوں کا لباس پہنتے ہیں، لاکھوں کے پکوان کھاتے ہیں، مگر وہ عید کی رحمت اور برکت سے محروم رہ جاتے ہیں، جبکہ کئی لوگ عید کے دن اپنا پیوند زدہ دُھلا ہوا لباس پہنتے ہیں، گھر میں دال روٹی کھاتے ہیں، مگر ان کی ایسی عید ہوتی ہے کہ زمین تا آسمان، اور آسمان تا عرش اُن کی عید چمک رہی ہوتی ہے، دمک رہی ہوتی ہے، اور فرشتوں میں اُن کے تذکرے چل رہے ہوتے ہیں۔

چوتھی بات یہ ہے کہ عید کا دن ''یوم الجائزہ'' انعام کا دن ہے، غلط رسومات کی وجہ سے اسے حسرت کا دن نہ بنایا جائے، آپ خود سوچیں اگر ایک بندہ جو خود کو مسلمان کہتا ہے عید کے دن بھی اللہ تعالیٰ سے (نعوذ باللہ) ناخوش اور ناراض ہوگا تو وہ کس منہ سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت مانگے گا......

ہائے میرے پاس نئے کپڑے نہیں، ہائے میرے پاس نیا جوتا نہیں، ہائے میرے بچوں کی اس سال کیا عید؟ فلاں سامان نہیں، فلاں شخص نہیں...... یہ سب محرومی والی سوچیں اور شیطان کے حربے ہیں، رمضان المبارک میں آپ نے محنت کی، روزے رکھے، رات کا قیام کیا، اب اُس ساری محنت کے انعام پانے کا دن ہے تو اپنے محبوب رب سے شکوے لے

کر بیٹھ گئے، ذرا دماغ سے تو سوچو کہ آخر نئے کپڑوں سے کیا ہوتا ہے؟ کیا نئے کپڑوں سے کوئی غریب مالدار ہو جاتا ہے؟ کوئی بیمار تندرست ہو جاتا ہے؟ کوئی ذلیل عزت مند ہو جاتا ہے؟ کوئی قیدی رہا ہو جاتا ہے؟ کوئی مصیبت اور بلا ٹل جاتی ہے؟ کوئی قرضہ یا آفت اُتر جاتی ہے؟ کچھ بھی نہیں ...... بادشاہ پرانے کپڑے پہن کر بادشاہ ہی رہتا ہے، اور چپڑاسی نئے کپڑے پہن کر افسر نہیں بن جاتا، کائنات کے سب سے افضل اور سب سے شان والے انسان نے اکثر پیوند زدہ کپڑے پہنے، اس سے اُن کے مقام میں کوئی کمی نہیں آئی، دراصل مسلمانوں میں عید اور خوشی کا مطلب ہی تبدیل ہوتا جا رہا ہے، وہ نعوذ باللہ عید کے مقدس دن کو "کرسمس، ہولی، بسنت، دیوالی" جیسا کوئی تہوار سمجھ بیٹھے ہیں، ایک مسلمان اور کافر کے درمیان جو فرق ہے وہ بڑے دن منانے میں بھی ظاہر ہوتا ہے، کافروں کے ہاں تہوار کا مطلب شہوت، لذت، آزادی، غفلت، چھٹی، فخر، نمائش اور درندگی ہے، اسی دن وہ دل بھر کے گناہ کی پیپ پیتے ہیں، اور اسی دن مالدار لوگ اپنے مال کی نمائش کر کے غریبوں کا دل دُکھاتے اور اپنی نقلی شان بڑھاتے ہیں۔

تہوار کے دن...... آزادی ہوتی ہے، عقل، اخلاق اور ہر ضابطے سے آزادی، اور انسان ایک ایسے جانور جیسا ہوتا ہے جسے پنجرے سے باہر نکال دیا گیا ہو...... مگر عید تو عید ہے...... سبحان اللہ! عبادت اور راحت کا شاندار امتزاج، خوشی اور خدمت کا بہترین جوڑ، اور برکت اور مسرّت کا حسین سنگم...... اس میں نہ غفلت ہے نہ حرام کاری، نہ نمائش ہے اور نہ ایذاء رسانی، مگر کیا کریں کافروں کی دوستی اور صحبت نے کئی مسلمانوں کو ڈس لیا ہے، اور انہوں نے "عید"

جیسے پاکیزہ دن کو کافروں کے تہواروں جیسا سمجھ لیا ہے، اوراب عید کے دن ناشکری کے جملے اُٹھتے ہیں...... کپڑے نہیں، جوتے نہیں، فلاں عزیز گھر نہیں، فلاں کیوں انتقال کرگیا، بس میری قسمت میں خوشیاں کہاں؟ استغفر اللہ، وانا للہ وانا الیہ راجعون۔

آیئے عزم کریں کہ عید کے انعام والے دن ہر حال میں اپنے عظیم رب تعالیٰ سے خوش اور راضی رہیں گے۔

پانچویں بات یہ ہے کہ عید کے دن اس بات کی فکر رہے کہ ہمارا رمضان المبارک قبول ہو جائے، حضرت جبیر بن نفیرؒ فرماتے ہیں: حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب عید کے دن آپس میں ملتے تو ایک دوسرے کو یہ دعا دیتے: ''تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْکَ'' اللہ تعالیٰ ہمارے اور آپ کے اعمال قبول فرمائے۔

عید کے دن کوئی ایسی حرکت، غفلت اور گناہ نہ ہو جو رمضان المبارک کے اعمال کو بھی ضائع کر دے، خوشی کریں مگر حلال اور مباح اور ایک مسلمان کے لئے حرام میں خوشی ہے بھی کہاں؟ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: ہر وہ دن جس میں کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے وہ اس کے لئے عید کا دن ہے، اور ہر وہ دن جو ایک مومن اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اللہ تعالیٰ کے ذکر اور شکر میں گزارے وہ اُس کے لئے عید کا دن ہے۔ (رنگ ونور، شمارہ: ۴۵۵)

عیدی اور انعام

☆ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک جامع اور طویل حدیث شریف کے آخر میں یہ الفاظ ہیں جب عید کی صبح ہوتی ہے تو حق تعالیٰ شانہ فرشتوں کو تمام گلیوں راستوں کے

سروں پر کھڑا کر دیتے ہیں اور ایسی آواز سے جس کو جنات اور انسان کے سوا ہر مخلوق سنتی ہے پکارتے ہیں کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اس کریم رب کی (درگاہ) کی طرف چلو جو بہت زیادہ عطا فرمانے والا ہے، اور بڑے سے بڑے قصور کو معاف فرمانے والا ہے۔ پھر جب لوگ عید گاہ کی طرف نکلتے ہیں تو حق تعالیٰ شانہٗ فرشتوں سے دریافت فرماتے ہیں، کیا بدلہ ہے اس مزدور کا جو اپنا کام پورا کر چکا ہو، وہ عرض کرتے ہیں کہ ہمارے معبود اور ہمارے مالک اس کا بدلہ یہی ہے کہ اس کی مزدوری پوری پوری دے دی جائے، تو حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں میں نے ان کو رمضان اور روزوں اور تراویح کے بدلہ میں اپنی رضا اور مغفرت عطا کر دی اور بندوں سے خطاب فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ اے میرے بندو! مجھ سے مانگو۔ میری عزت کی قسم میرے جلال کی قسم آج کے دن اپنے اس اجتماع میں مجھ سے اپنی آخرت کے بارے میں جو سوال کرو گے عطا کروں گا اور دنیا کے بارے میں جو سوال کرو گے اس میں تمہاری مصلحت پر نظر کروں گا۔ میری عزت کی قسم کہ جب تک تم میرا خیال رکھو گے میں تمہاری لغزشوں پر ستّاری کرتا رہوں گا (اور ان کو چھپاتا رہوں گا) میری عزت کی قسم اور میرے جلال کی قسم میں تمہیں مجرموں (اور کافروں) کے سامنے رسوا اور فضیحت نہ کروں گا۔ بس اب بخشے بخشائے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ، تم نے مجھے راضی کر دیا اور میں تم سے راضی ہو گیا۔ پس فرشتے اس اجر و ثواب کو دیکھ کر جو اس امت کو افطار کے دن ملتا ہے خوشیاں مناتے ہیں اور کِھل جاتے ہیں۔ (الترغیب، فضائل اعمال) **اللھم اجعلنا منھم**

عیدین اور آقا ﷺ کا طرز عمل

☆......حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الضحیٰ کے دن عید گاہ تشریف لے جاتے تھے۔ سب سے پہلے آپ نماز پڑھاتے تھے، پھر نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی طرف رخ کر کے خطبہ کے لئے کھڑے ہوتے تھے اور لوگ بدستور صفوں میں بیٹھے رہتے تھے، پھر آپ ان کو خطبہ اور وعظ ونصیحت فرماتے تھے اور احکام دیتے تھے اور اگر آپ کا ارادہ کوئی لشکر یا دستہ تیار کر کے کسی طرف روانہ کرنے کا ہوتا تو آپ (عیدین کی نماز وخطبہ کے بعد) اس کو بھی روانہ فرماتے تھے یا کسی خاص چیز کے بارے میں آپ کو کوئی حکم دینا ہوتا تو اسی موقع پر وہ بھی دیتے تھے، پھر (ان سارے مہمات سے فارغ ہو کر) آپ عید گاہ سے واپس ہوتے تھے۔

(صحیح بخاری:۲/۲۲)

☆......حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

صَلَّيتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ العِيدَينِ غَيرَ مَرَّةٍ وَلاَ مَرَّتَينِ بِغَيرِ أَذَانٍ وَلاَ إِقَامَةٍ.

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عیدین کی نماز ایک یا دو دفعہ ہی نہیں بلکہ بہت دفعہ پڑھی ہے۔ ہمیشہ بغیر اذان اور بغیر اقامت کے۔ (صحیح مسلم:۳/۱۹)

☆......حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى يَومَ الفِطرِ رَكعَتَينِ لَم يُصَلِّ قَبلَهَا وَلاَ بَعدَهَا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الفطر کے دن دو رکعت نماز پڑھی، اور اس سے پہلے یا بعد آپ نے کوئی نفلی نماز نہیں پڑھی۔ (بخاری:۲/۲۳، مسلم:۳/۲۱)

عیدین کا وقت

☆......حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي بِنَا يَومَ الفِطرِ وَالشَّمسُ عَلَى قِيدِ رُمحَينِ وَالأَضحَى عَلَى قِيدِ رُمحٍ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کی نماز ہم لوگوں کو ایسے وقت پڑھاتے تھے کہ آفتاب بقدر دو نیزے کے بلند ہوتا تھا اور عید الاضحیٰ کی نماز ایسے وقت پڑھاتے تھے کہ آفتاب بقدر ایک نیزہ کے ہوتا تھا۔ (التلخیص الحبیر:۲/۱۹۶)

نماز سے پہلے کھانا

☆......حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لاَ يَخرُجُ يَومَ الفِطرِ حَتَّى يَطعَمَ وَلاَ يَطعَمُ يَومَ الأَضحَى حَتَّى يُصَلِّيَ. (ترمذی:۲/۴۳۷)

كان لا يخرج يوم الفطر حتى يطعم ولا يأكل يوم الأضحى حتى يرجع فيأكل من كبد أضحيته (فضائل الاوقات:۱/۴۰۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ آپ عید الفطر کی نماز کیلئے کچھ کھا کے تشریف لے جاتے تھے اور عید الاضحیٰ کے دن نماز پڑھنے تک کچھ نہیں کھاتے

تھے۔(ترمذی:۲/۷۳۴، مشکوۃ:۱/۳۲۳)

☆......حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عید الفطر کے دن نماز کو تشریف لے جانے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم چند کھجوریں تناول فرماتے تھے اور طاق عدد میں تناول فرماتے تھے۔(بخاری)

نماز عید کے بعد راستہ کی تبدیلی

☆......حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب عید کا دن ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپسی میں راستہ بدل کر آتے۔(بخاری:۴/۱۵۳)

☆......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ إِذَا خَرَجَ إِلَى الْعِيدِ رَجَعَ فِيْ طَرِيقٍ آخَرَ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز کے لئے جب تشریف لے جاتے تھے تو واپس دوسرے راستے سے آتے تھے۔ (سنن الدارمی:۱/۴۶۰)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم راستہ اس لئے تبدیل کرتے تھے کہ اس طرح شعائر اسلام اور مسلمانوں کی اجتماعیت وشوکت کا زیادہ سے زیادہ اظہار واعلان ہو۔نیز عید میں جشن اور تفریح کا جو پہلو ہے اس کیلئے بھی یہی زیادہ مناسب ہے کہ مختلف راستوں سے گزرا جائے۔واللہ اعلم۔

عید الفطر کے مسنون اعمال

عید الفطر کے دن تیرہ کام مسنون ہیں:

(۱) شرعی حدود میں رہتے ہوئے اپنی آرائش کرنا۔(۲) غسل کرنا۔(۳) مسواک

کرنا۔(۴) اپنے کپڑوں میں سب سے عمدہ لباس پہننا۔(۵) خوشبو لگانا۔(۶) صبح کو بہت جلدی اٹھنا۔(۷) عید گاہ جلد از جلد پہنچنا۔(۸) عید گاہ جانے سے پہلے کوئی میٹھی چیز مثلاً کھجور کھانا۔(مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۶۷)(۹) عید گاہ جانے سے پہلے صدقۂ فطر ادا کر دینا۔(۱۰) نماز عید، عید گاہ میں ادا کرنا (یعنی بلا عذر مسجد میں نہ پڑھنا)۔(۱۱) عید گاہ جانے اور آنے کیلئے راستہ تبدیل کرنا۔(۱۲) اگر زیادہ دور نہ ہو تو پیدل جانا۔(۱۳) عید گاہ جاتے ہوئے راستہ میں

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد

آہستہ آواز سے پڑھنا۔

نماز عید کا طریقہ

اس طرح نیت کرے کہ میں دو رکعت واجب نماز عید، چھ زائد تکبیروں کے ساتھ ادا کرتا ہوں۔ پھر تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ باندھ لے اور سبحانک اللھم آخر تک پڑھ کر تین مرتبہ کانوں تک ہاتھ اٹھا کر اللہ اکبر کہے۔ ہر تکبیر کے بعد اتنا وقفہ کرے کہ تین مرتبہ سبحان اللہ کہا جا سکے۔ دو مرتبہ تو تکبیر کے بعد ہاتھ کو کھلا چھوڑ دے گا اور تیسری مرتبہ باندھ کر عام نمازوں کی طرح تلاوت کرے گا یا سنے گا۔ رکوع، سجدہ کرنے کے بعد جب دوسری رکعت کیلئے کھڑا ہو تو پہلے سورۂ فاتحہ اور کوئی سورت پڑھ لے پھر رکوع میں جانے سے پہلے تین زائد تکبیریں ہاتھ اٹھا کر کہے اور ہر مرتبہ ہاتھ چھوڑ دے۔ پھر چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع میں چلا جائے۔ بقیہ نماز، عام نمازوں کی طرح ہے۔ نماز عید کا خطبہ پڑھنا سنت ہے اور اس کا سننا واجب ہے

یعنی اس وقت بول چال اور نماز سب ممنوع ہیں۔

ایک اہم مسئلہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جب آپس میں ملاقات کرتے تو مصافحہ کرتے اور جب کسی سفر سے واپس لوٹتے تو معانقہ کیا کرتے تھے۔ (طبرانی، الترغیب والترہیب ۳/۴۳۳)

اگر کوئی مصافحہ اور معانقہ کو عید کے دن خاص عید کی وجہ سے لازم اور ضروری نہ سمجھے اور عیدین کے علاوہ سال کے باقی ایام میں بھی سنت سمجھ کر اس کا پورا اہتمام کرے اور اپنا دائمی عمل بنالے اور پھر عیدین کے دن اپنے سابقہ معمول کے مطابق بوقت ملاقات سلام کر کے مصافحہ کرلے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ یا جو عزیز رشتہ دار یا دوست عید کے دن سفر سے آئیں اور سفر سے آنے کی بنا پر ان سے گلے ملے تو بھی نہ صرف جائز بلکہ سنت ہے۔

فرض نمازوں اور عیدین کی نماز کے بعد کے مروجہ مصافحے اور معانقے کا صحیح احادیث میں ذکر نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرض نمازوں اور عیدین کے روز التزاماً مصافحہ اور معانقہ کیا کرتے تھے یہ لوگوں نے اپنی طرف سے ایجاد کرلیا ہے۔ اور سنت بنالیا ہے بلکہ فرض وواجب کی طرح اس کی پابندی کی جاتی ہے اور جو اس پر عمل نہ کرے اس کو طرح طرح کے طعنے دیے جاتے ہیں۔ حالانکہ مصافحہ و معانقہ نہ عید کی سنت ہے اور نہ اس کے فرائض وواجبات میں ہے بلکہ اپنی طرف سے دین میں اضافہ ہے اور پھر مسنون طریقہ یہ ہے کہ مصافحہ ملاقات کے وقت کریں۔ یہاں یہ صورت ہے کہ عیدین کے

روز گھر سے ایک ساتھ نکلے راستہ میں ملاقات رہی، ایک ساتھ عیدگاہ گئے ساتھ بیٹھے ساتھ نماز پڑھی۔ پھر جب نماز اور خطبہ سے فارغ ہوتے ہیں تو مصافحہ اور معانقہ شروع ہو جاتا ہے اور اس پر غضب یہ کہ اکثر سلام بھی نہیں کرتے بس گلے ملے اور سلام کی جگہ عید مبارک کہہ کر فارغ ہوئے اور اسی کو کافی سمجھتے ہیں۔

فقہاء کی نظر میں

علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نماز کے بعد مصافحہ کرنا مکروہ ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز کے بعد مصافحہ نہیں کرتے تھے۔ اور یہ مصافحہ اس لئے بھی مکروہ ہے کہ یہ روافض کا طریقہ ہے اور علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں یہ بڑی مکروہ بدعت ہے۔ شریعت محمدی میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے اس کے کرنے والے کو پہلی دفعہ تنبیہ کی جائے، نہ مانے تو دوسری دفعہ اس کو سزا دی جائے۔ اور ابن الحاج مالکی مدخل میں تحریر فرماتے ہیں یہ ایک بدعت ہے شریعت میں مصافحہ کرنے کا وقت وہ بتایا گیا ہے جب مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے ملاقات کرے نہ کہ نمازوں کے بعد۔ لہٰذا جہاں شریعت نے مصافحہ رکھا ہے وہیں مصافحہ کرے (اس کے علاوہ دوسرے اوقات میں مثلاً نمازوں کے بعد) مصافحہ کرنے سے منع کیا جائے اور کرنے والے کو جو سنت کے خلاف عمل کر رہا ہے سختی سے روکا جائے۔ (شامی ۵/۲۴۴)

علامہ ابن الحاج مالکی نے اپنی کتاب المدخل میں تصریح کی ہے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے معانقہ کو مکروہ قرار دیا ہے اور حضرت ابن عیینہؒ نے کچھ دن بعد ملاقات ہونے پر معانقہ کی اجازت دی ہے۔ لیکن جو شخص عید کے دن نماز عید میں حاضر ہے اس سے

معانقہ کرنے کی اجازت نہیں۔ (المدخل ۲۹۵/۲)

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: قاعدہ کلیہ ہے کہ عبادات میں حضرت شارع علیہ السلام نے جو ہیئت و کیفیت معین فرمادی ہے اس میں تغیر و تبدل جائز نہیں اور مصافحہ چونکہ سنت ہے اس لئے عبادات میں سے ہے تو حسب قاعدہ مذکورہ اس میں ہیئت و کیفیت منقولہ سے تجاوز جائز نہ ہوگا اور شارع علیہ السلام سے صرف اول لقاء کے وقت بالاجماع یا وداع کے وقت بھی علی الاختلاف منقول ہے۔ بس اب اس کے لئے ان دو وقتوں کے سوا اور کوئی محل و موقع تجویز کرنا تغیر عبادت کرنا ہے جو ممنوع ہے لہٰذا مصافحہ بعد عیدین یا بعد نماز پنجگانہ مکروہ و بدعت ہے۔ شامی میں اس کی تصریح موجود ہے فقط واللہ اعلم۔ (امداد الفتاویٰ ۴۵۶/۱)

عیدی مانگنے کی شرعی حیثیت

حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے دریافت کیا: عید کے دنوں میں جس کو دیکھو عیدی لینے پر تلا ہوا ہوتا ہے، خیر بچوں کا تو کیا کہنا، گوشت والے کو دیکھو، سبزی والے کو دیکھو...... میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اس طرح جو عیدی لوگ لیتے ہیں وہ حرام ہے؟ یا اس کی کوئی شرعی حیثیت بھی ہے؟

حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: عیدی مانگنا تو جائز نہیں، البتہ خوشی سے بچوں کو، ماتحتوں کو، ملازموں کو ہدیہ دے دیا جائے تو بہت اچھا ہے، مگر اس کو لازم اور ضروری نہ سمجھا جائے، نہ اس کو سنت تصور کیا جائے۔ (آپ کے مسائل: ۱۲۶/۸)

شوال کے چھ روزے

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ماہ رمضان کے روزے رکھے اس کے بعد ماہ شوال میں چھ نفلی روزے رکھے تو اس کا یہ عمل ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہوگا۔ (مسلم ۱/۳۶۹، ترمذی ۱/۱۵۸)

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: رمضان کا مہینہ اگر ۲۹ ہی دن کا ہو تب بھی اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ۳۰ روزوں کا ثواب دیتے ہیں اور شوال کے ۶ نفلی روزے شامل کرنے کے بعد روزوں کی تعداد ۳۶ ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے کریمانہ قانون ''الحسنة بعشر امثالها'' (ایک نیکی کا ثواب دس گنا) کے مطابق ۳۶ کا دس گنا ۳۶۰ ہو جاتا ہے اور پورے سال کے دن ۳۶۰ سے کم ہی ہوتے ہیں......

پس جس نے پورے رمضان المبارک کے روزے رکھنے کے بعد شوال میں ۶ نفلی روزے رکھے وہ اس حساب سے ۳۶۰ روزوں کے ثواب کا مستحق ہوگا پس اجر و ثواب کے لحاظ سے یہ ایسا ہی ہوا جیسے کوئی بندہ سال کے ۳۶۰ دن برابر روزے رکھے۔

اخت سعید

عہد رسالت میں خواتین کی آزادی

تعلیماتِ نبوی کا ایک فوری مقصد صحابہ کرامؓ کی تعلیم وتربیت اور تزکیہ تھا اور وسیع تر مقصد، جو دراصل فوری مقصد کی توسیع تھی اُمتِ اسلامی کے لیے ایک اسوہ کاملہ قائم کرنا تھا۔ یہ اسوۂ نبوی ہی درحقیقت عالمی ملتِ اسلامیہ کے وجود، بقا اور ترقی کی ضمانت ہے۔ نبوی معاشرہ کی ایک حسین وجمیل شاخ جہانِ خاتون ہے جس سے جہان مرداں ہی میں نہیں کائنات میں رنگِ جمال ومحبت آتا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے مبارک عہد میں بلاشبہ بعض عصری تقاضوں اور سماجی روایتوں کی رعایت خواتین کے معاملات میں بھی کی تھی۔ اسی سے یہ اُصول ہاتھ آتا ہے کہ اُمت اسلامی اپنے مختلف ملکی اور قومی معاشروں

میں اپنے خاص سماجی اقدار اور تقاضوں کی رعایت کر سکتے ہیں۔ وہ اسوۂ نبوی کے خلاف ہے اور نہ اسلامی تعلیمات کے۔ ان دونوں کے اُصول و فروع کے فرق و امتیاز کو مدنظر رکھا جائے تو حقیقت واضح ہو جائے گی اور یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ اُصول تو محکمات ہیں اور مستقل ہدایات و عملی نمونے اور فروع زمانے کے عرف اور قوم کی عادت کے تابع ہیں۔

عہد نبوی میں خواتین کی آزادی کا عنوان ہو یا اسلام میں خواتین کے حقوق، اس کی دو سطحیں ہیں: ایک نظری دوسری عملی۔ اسلامی تعلیمات کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عمل اور اسوہ میں ڈھال کر اُمتِ اسلامی کے لیے خواتین کے حقوق کا ایک عملی نصاب بنایا تھا۔ عہدِ نبوی کے خاص تناظر میں بھی اور وسیع اسلامی عالمی تناظر میں بھی خواتین کی کارکردگی کے تین واضح محور نظر آتے ہیں: (۱) عورتوں کو اپنے گھر میں کیا حقوق اور کتنی آزادی دی گئی تھی۔ اسے خاندانی معاشرت کا معروف و مشہور نام سے بھی پکارا جا سکتا ہے وہ اس کا بنیادی محور ہے۔ (۲) گھر سے باہر عہدِ رسالت میں خواتین کو کیا کچھ کرنے کی آزادی تھی اور کتنی اس پر پابندیاں تھیں۔ یہ وسیع تر سماجی کارکردگی کا دائرہ ہے۔ (۳) رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواتین عہد کو اسلامی قومی معاملات و امور میں کیا کیا حقوق دیئے اور ان کو ملی کارکردگی میں کتنا حصہ دار بنایا۔ یہ عالمی تناظر ہے۔ ان تینوں محوروں میں خواتین عہدِ رسالت کی کارکردگی سے ہی نظریاتی اُصول و فروع کی عملی تصویر سامنے آتی ہے اور اسی سے پوری اُمتِ اسلامی کے لیے خواتین کے باب میں اسوہ کاملہ ملتا ہے۔ اس مختصر خطبہ میں ان ہی تینوں تناظروں میں آزادیٔ نسواں اور حقوق نسواں کا تجزیہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اس سے قبل مختصراً یہ بھی عرض کر دیا

جائے کہ یہ تجزیہ خاکسار راقم کے اپنے مطالعہ پر مبنی ہے اور معروضہ ہی ہے اور دوسرے یہ کہ بعد کے علماء وفقہاء کی آراء وافکار، ان کی تعبیرات وتشریحات اور خاص نقطہ ہائے نظر سے اس وقت بحث نہیں ہے۔

ا: عہدِ نبوی کی عورت اپنے گھر میں

پیدائش، تعلیم وتربیت اور خاندان میں اس کی نشوونما سے متعلق جتنی تعلیماتِ اسلامی اور اسوۂ نبوی کی تفصیلات ملتی ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ لڑکے اور لڑکی میں کوئی فرق نہیں کیا گیا۔ لڑکی کی پیدائش پر جاہلی عرب کی عصبیت وتنگ نظری پر سخت نقد کیا گیا اور اس سے آگے بڑھ کر لڑکی کو باعثِ برکات اور باعثِ افزونیٔ رزق قرار دیا گیا۔ قرآن وحدیث میں بہت سی تفصیلات ہیں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی چار بناتِ طاہرات کی پیدائش وپرورش میں لڑکوں کی مانند طریقہ اختیار کیا گیا۔ ان کے عقیقہ میں قربانی کی گئی، ان کے اچھے نام رکھے گئے اور ان کی عمدہ تعلیم وتربیت کی گئی۔ انکو بچپن کے کھیل کود کی سہولت دی گئی۔ ان کے حقوق لڑکوں کے برابر تھے۔ صحابہ کرامؓ کی دختروں اور دوسری خواتین کے بارے میں تفصیلات کم ملتی ہیں تاہم سنت نبوی اور واضح ارشاد یقین دلاتا ہے کہ تمام صحابہ کرامؓ نے اسی طرح بچیوں کی پرورش کی تھی۔

شادی بیاہ

سربراہِ خاندان...... والد یا والدین وغیرہ...... جس طرح اپنے فرزندوں کی شادی بیاہ کرتے تھے اسی طرح اپنی دختروں کی کرتے تھے۔ شادی میں زوج / جوڑے کی پسند،

مرضی کو ایک اسلامی اُصول بنایا گیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی تمام دختروں کی شادی میں ان کی مرضی و پسند معلوم کر لی تھی اور یہی دوسری لڑکیوں کے معاملے میں دستورِ نبوی اور قاعدۂ اسلامی رہا تھا۔ اس کی متعدد احادیث ہیں۔ لڑکی کو، شادی کے بعد متعدد واقعات بتاتے ہیں، تخییر یا ردِ نکاح کا حق رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عطا فرمایا خواہ ان کا نکاح ان کے والدین نے ہی کیا ہو۔ اس باب میں سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ لڑکی کی پسند کو اولیت و مرکزیت حاصل تھی، دوسرے اسباب بعد میں آتے تھے۔ (۱) حضرت خنساء بنت خدام انصاری کا نکاح ان کی کراہت کے سبب رد کر دیا گیا تھا حالانکہ وہ رشتہ ان کے والد ماجد ابو وداعہ خدام نے کیا تھا۔ (۲) حضرت زینب بنت عثمان بن مظعون جمحی کا نکاح ان کے چچا حضرت قدامہ نے کر دیا تھا جو ان کو ناپسند تھا اور ان کی والدہ کو بھی۔ وہ بھی فسخ ہوا۔ (۳) امام نسائی اور امام ابن ماجہ، امام طبرانی و امام دارقطنی وغیرہ نے اسی طرح کنواری اور پکی عمر دونوں طرح کی عورتوں کے نکاح کے مسترد و فسخ کئے جانے کا ذکر کیا ہے۔ ایک نابالغہ کی بچپن کی شادی کو اسکے بلوغ پر تخییر کا حق رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دیا تھا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں اور دوسرے شارحین نے اپنی شروح میں ایسی روایات و احادیث پر مدلل بحث کی ہے۔

نان نفقہ

اسلامی شریعت اور اسوہ نبوی دونوں سے واضح ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی ازواجِ مطہرات کا نان نفقہ حسبِ حیثیت سال بھر کے لیے فراہم کرتے تھے۔ حدیث و

سیرت دونوں میں اس کی روایات موجود ہیں۔ فقر و فاقہ کی زندگی اختیاری تھی۔ اسی طرح دوسرے صحابہ کرامؓ بھی اپنے خاندان والوں کے لیے پورے سال کا یا ہر ماہ و ہر فصل پر مناسب نان نفقہ فراہم کرتے تھے۔

نان نفقہ کی کمی یا عدم فراہم کی شکایات بھی اس دور میمون میں ہوئیں اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دور کرنے کے مختلف طریقے تجویز فرمائیے۔(۱) بیویوں کو اپنے شوہروں کے مال میں سے حسبِ ضرورت بلا اجازت لینے کو جائز قرار دیا جیسا کہ حضرت ہند بنت عتبہ کے واقعہ سے ثابت ہوتا ہے۔ ان کے شوہر حضرت ابوسفیان اموی مالدار ہونے کے باوجود جرزس تھے اور ان کی جرزسی کا تدارک اس طرح کیا گیا۔(۲) شوہروں کو/ خاندان والوں کو پابند کیا کہ وہ اپنی بیویوں اور دختروں اور خواتین کو ان کی ضرورت اور اپنی حیثیت کے مطابق خرچہ دیں۔(۳) اور شاید سب سے اہم اسوہ یہ قائم فرمایا کہ بیویوں/ ازواج کو خاص کر اور دوسری عورتوں کو کسبِ معاش کی اجازت دی اور شوہر و اولاد پر خرچ کرنے کو دہرے اجر کا باعث قرار دیا۔ حضرت ابنِ مسعد کی اہلیہ حضرت زینبؓ اور ان کی ایک ہم نام انصاری خاتون کے بارے میں یہ حقیقت ثابت ہے کہ وہ دستکاری اور حرفت کے ذریعہ اپنے خاندان کے لیے کسبِ معاش کرتی تھیں۔

گھریلو زندگی

گھریلو زندگی میں زوجین میں رفیق حیات کا تصور وعمل جاری وساری تھا۔ باہمی مفاہمت اور رفاقت کا اسوہ نبوی بھی تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث کے مطابق رسولِ

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں اپنے کام ہی نہیں کرتے تھے بلکہ گھر کے کاموں میں بھی ہاتھ بٹاتے تھے۔ گھر میں جھاڑو بہارو کرتے، کپڑوں کو سی لیتے، رفوع کر لیتے یا بخیہ لگا لیتے اور اپنے ان نجی کاموں کے علاوہ ازواج کا ہاتھ بھی بٹاتے تھے۔ سفر کے دوران ایک اسوۂ نبوی بتاتا ہے کہ کھانے پکانے کا سارا کام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسروں پر نہیں چھوڑ دیتے تھے۔ اس واقعہ کے مطابق تین صحابہ کرامؓ نے بکری ذبح کرنے، پارچے بنانے اور پکانے کا ذمہ لیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باصرار ایندھن چن کر لائے حالانکہ صحابہ کرامؓ درخواست ہی کرتے رہ گئے۔

عام ازدواجی تعلقات میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زوجین کے درمیان مہر و الفت رفاقت و لطافت کا رشتہ پیدا کیا۔ عورتوں کو نازک آبگینے، ان کی کجی کے فطری حادثے اور نازو انداز کے نسوانی عنصر کی رعایت احادیث کے علاوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عملی تعلیمات میں بھی ہے عورتوں کو مار پیٹ کرنے اور زدوکوب کرنے کے معاملہ و واقعہ کو بالعموم حق شوہرانہ سمجھا جاتا ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدرجہ مجبوری اس کی اجازت دی تھی مگر جلد ہی اس پر تجاویز مسرفانہ کے سبب پابندی لگا دی۔ شوہروں کو صبر وضبط اور دوسرے مردوں کو تحمل و بردباری کی تعلیم دی۔ عہدِ نبوی کے خاندانی نظام معاشرت میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسری سہولیات کی فراہمی کی ضمانت بھی دی تھی۔

......کھانا پکانے خاص کر روٹی پکانے کے فن میں خادمہ/ خادماؤں کا انتظام فرمایا۔ ازواج بھی کھانا پکاتی تھیں اور مدد بھی لیتی تھیں۔

......دوسرے گھریلو کاموں میں بھی خادم و خادمہ کی خدمات کا ذکر مسلسل ملتا ہے۔

......بچوں کی رضاعت بڑا اہم کام ہے مگر اس میں بھی خواتین وازواج کی مرضی وپسند کی رعایت کی گئی ہے۔اسی بنا پر مرضعات کا طبقہ وجود میں آیا تھا۔اس نے جہانِ نسواں میں رنگِ محبت بھرنے کے علاوہ معاشرتی زندگی میں سہولت ووسعت پیدا کی تھی۔

۲: عام سماجی زندگی

عہدِ نبوی میں خواتین عام سماجی زندگی میں اپنا کردار ادا کرتی تھیں۔ وہ زندگی کے گوناگوں شعبوں میں منقسم تھا اور اسی طرح رنگا رنگ بھی۔ ان عناوینِ زندگی کے تحت خواتین کے کردار، ان کے حقوق، ان کی آزادی وخودمختاری اور عام سماج کے لیے ان کی افادیت کا تجزیہ کیا جاسکتا ہے:

دینی وتعلیمی زندگی

اسلامی سماجی زندگی میں اہم ترین شعبہ دین ومذہب کا تھا اور اسی سے تعلیم وتربیت اور تزکیہ بھی وابستہ تھے۔ عام اسلامی تعلیمات اور خاص اسوۂ نبوی دونوں نے مرد وعورت کے دین ومذہب کے حق میں فرق کیا اور نہ ان کے درمیان کسی قسم کا امتیاز روا رکھا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مذہبی اور تعلیمی وتربیتی نظام میں مرد وعورت دونوں برابر کے شریک تھے۔ یہ دوسری بات تھی کہ ان کا حصہ بقدر استفادہ ہی تھا۔ ازواجِ مطہرات میں حضرت عائشہ صدیقہؓ اس کی نمائندہ مثال ہیں جن سے اکابر صحابہؓ تک استفادہ کرتے تھے اور جن سے ایک تہائی دین ہمیں ملا ہے ان کی مروی احادیث کی تعداد، تفسیری تشریحات، فقہی عطایا، عام تہذیبی دین کے علاوہ ان کا عام تبحر علمی نقد واستدراک کے ساتھ عظیم ترین ہے اسی طرح

دوسری ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن اور عام صحابیات رضی اللہ عنہن کی دینی اور تعلیمی عطایا قابل قدر اثاثہ ہیں اور وہ نبوی سماجی زندگی میں ان کے فعال کردار کی وجہ سے ہی وجود میں آیا۔ خواتین کی تفسیری، حدیثی، فقہی اور دوسری تہذیبی عطایا کا تعلق صرف خواتین کا مخصوص مسائل و معاملات سے نہیں ہے بلکہ دین و تعلیم کے عام شعبوں سے ہے۔ عام احادیث ہوں یا خاص دینی مسائل وفتاویٰ، ان میں خواتین کے مشاہدہ و تجربہ کا عنصر سب سے قوی ہے جو صحیح تفہیم و تعبیر احادیث تک لے جاتا ہے صرف ایک مختصر و محدود مطالعہ نے متعدد صحابیات کی ترسیلِ احادیث کی خدمت کو اجاگر کیا ہے، جو صرف خواتین کی نبوی زیارات کا عطیہ و افادہ ہیں۔ ان میں حضرت ام مالک، ام ہانی، ملیکہ، ام السائب/ام المسیب، ام زفر حبشیہ، زینب زوجہ ابن مسعود اور متعدد زیانب، ام الفضل لبابہ کبریٰ، برہ بنت ابی تجراۃ، ہند بنت عتبہ، ام سلیم اور ام حرام و دختران ملحان، جمطیہ/جویریہ بنت ابوجہل مخزومی، اسماء بنت عمیس، ام ورقہ ام ربیع بنت براء، ام کلثوم بنت عقبہ اموی، خولہ انصاریہ اور متعدد دوسری خواتین کی احادیث و تفسیری روایات اور فقہی عطایا شامل ہیں۔ ان ہی کی وجہ سے متعدد اسلامی احکام کا ارتقاء ہوا تھا۔ ان کا تعلق طہارت، نماز، عورت کی امامت، مسجد جانے کی اجازت، صیام رمضان، حج وعمرہ کے علاوہ معاملات و اخلاق جیسے نکاح وطلاق، رضاعت وعقیقہ، ولاء، بیوع (خرید و فروخت)، تجارت وزراعت، شخصی آزادی وغیرہ سے ہے۔

عام تمدنی زندگی

نبوی معاشرے میں مردوں کے دوش بدوش خواتین نے عام تمدنی زندگی میں بڑا موثر

کردار ادا کیا تھا۔ وہ ان کے نظری حقوق کو بھی شامل تھا اور تمدنی و سماجی زندگی میں ان کے عمل اور اسوہ کو بھی محیط تھا۔ اس باب میں بھی مشاہدہ و تجربہ خواتین نے عمدہ نمونے قائم کئے تھے۔

سماجی زیارات

مکی عہد نبوی یا مدنی دور مبارک، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرد اعزہ واقربا اور احباب کے علاوہ خاص خواتین کے گھروں کی زیارت کو جاتے تھے اور خواتین بھی کاشانہ نبوت میں سماجی زیارت کو آیا کرتی تھیں۔ یہ خالص سماجی قدر و روایت تھی مگر اس نے سماجی زندگی کو مالا مال کرنے کے ساتھ نہ جانے کتنی اسلامی اقدار کو جنم دیا تھا۔ خواتین کے گھروں میں زیارت نبوی اور کاشانہ نبوی میں خواتین کی آمد و رفت کا ایک سلسلہ زریں ہے جس کی ڈیڑھ سو کے قریب کڑیاں صرف اسد الغابۃ میں ہیں عام سماجی زیارت کے علاوہ خاص مواقع کی زیارتیں شامل تھیں۔ عقیقہ، ولیمہ، شادی بیاہ، وفات و تعزیت، عیادت، دلجوئی، خدمت اور نہ جانے کتنے دوسرے عناوین زیارت تھے۔ ان خواتین میں ہر عمر و نسل، طبقہ و علاقہ اور ہر قربت و قرابت کی شخصیات شامل تھیں۔

شادی بیاہ کی تقریبات میں خواتین ایک دوسرے کے گھروں میں بطور خاص اہتمام کے ساتھ شامل ہوتی تھیں اسکی وجہ سے ایک سماجی قدر یہ پیدا ہوئی کہ وہ اپنی عزیزوں اور بزرگوں سے بھی ملبوسات و زیورات مستعار لیتی تھیں تاکہ ان مواقع مسرت پر ان کو بھی خوشی و نشاط ملے اس نے صلہ رحمی اور احسان سلوک کے جذبات کو فروغ دیا اور سماج میں امدادِ باہمی کا چرچا کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خاص قمیص اسی کام کے لیے بنوا رکھی تھیں۔

ملبوسات اور کھانوں کے ہدایا بالخصوص اور دوسری چیزوں کے ہدایا بالعموم متعدد خواتین نے خدمت نبوی میں اور دوسرے صحابہ وصحابیات ؓ کے گھر بھیجنے کا دستور بنالیا تھا۔ شادی بیاہ اور نکاح کے رشتے استوار کرنے میں خواتین عہد نے غالباً سب سے زیادہ حصہ لیا تھا۔ نسبت لگانے، پیغام پہنچانے اور رشتہ طے کرانے میں وہ پیش پیش رہتی تھیں۔ حضرت خدیجہ ؓ، سودہ ؓ، عائشہ ؓ اور بعض دیگر ازواج مطہرات کے رشتے ان ہی خواتین نے لگائے تھے۔ عام لوگوں کے رشتے لگانے میں بھی ان کا کردار تھا۔ کفن ودفن خاص کر تجہیز وتکفین خواتین میں ان ہی نے اسلامی تعلیمات کو روبہ عمل لانے کا طریقہ سکھایا تھا۔ تعزیت کیے جانے کے آداب اور دوسرے احکام میں بھی ان کا حصہ تھا۔

عورتوں کے خاص میدانوں میں توان کا راج تھا۔ ولادت، عقیقہ، رضاعت، پرورش اور نشوونما میں خواتین عہد کو پوری آزادی حاصل تھی۔ ان کے کام کرنے کے طریقوں اور کارکردگی کے اسلوبوں نے متعدد احکام وآداب کو جنم ہی نہیں دیا بلکہ ان کا اطلاق ونفاذ کیا تھا۔ مثلاً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام اولاد گرامی کی دایہ حضرت سلمیٰ تھیں، وہی ان کے عقیقہ ورضاعت وغیرہ کا انتظام کرتی تھیں۔ رضاعت کے میدان میں اصل کام ان ہی خواتین کا تھا۔

معاشی واقتصادی شعبے

خواتین عہد کو اقتصادی زندگی اور کارگزاری کے مختلف میدانوں میں نہ صرف حقوقِ آزادی حاصل تھے بلکہ وہ عملی طور سے بھی ان سے وابستہ تھیں ان میں خواتین کے خاص پیشے شامل تھے، اور ان میں مردوں کا عمل دخل صفر تھا جیسے رضاعت، انا گیری/ حضانت،

مشاطگی، دایہ گیری (قبالہ) وغیرہ۔ حضرت سلمٰی، ام ایمن جرکہ حبشیہ، ثویبہ اسلمیہ، حلیمہ سعدیہ، ام السباع خزاعیہ تو صرف چند نام ہیں، ورنہ ان کی تعداد بہت کثیر تھی اور وہ ان پیشوں کے ذریعہ اپنی روزی روٹی کماتی تھیں اور اپنے خاندان کی پرورش بھی کرتی تھیں۔ ان خواتین نے اپنے معزز و محترم پیشوں سے سماجی زندگی میں اقدار و برکات کو فروغ دیا تھا اور احکام و آداب اسلامی کو ایجاد کیا تھا۔ غالباً ان کا سب سے بڑا کارنامہ سماجی زندگی میں مختلف خاندانوں کو ایک دوسرے سے جوڑنے اور معاشرتی ارتباط پیدا کرنے کا تھا۔ صرف رضاعت کے محبت آگہی پیشے نے کتنے قریشی خاندانوں کو باہم مربوط کیا تھا اور کتنے بدوی قبائل کو دوست بنایا تھا۔ خون کی طرح دودھ کا رشتہ بڑا مبارک و محترم تھا۔

تجارت

خالص مردانہ میدان اقتصاد میں عورتوں نے، کم سہی، اپنے تجارتی ہنر اور اقتصادی صلاحیت سے جھنڈے گاڑے تھے۔ عام خوانچہ فروشی یا پھیرے لگا کر بیچنے والیوں میں عطر فروش۔ حضرت خولہ عطارہ، اسماء بنت مخربہ ثقفی والدہ ابوجہل مخزومی، ملیکہ ثقفی وغیرہ تھی۔ ان میں بعض خواتین چھوٹے موٹے کپڑے، قالین، دوپٹے، قمیص وغیرہ پھیرے لگا کر فروخت کرتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ نے ایسی ہی پھیرے لگانے والی سے پردے خریدے تھے، بعض خواتین باقاعدہ بازار میں بیٹھ کر اپنی دُکان پر سامان فروخت کرتی تھیں یا ہاٹوں میں جا کر غلہ فروخت کرتی تھیں، حضرت قیلہ انماریہ ان میں سے ایک تھیں مشہور کھجور فروش صحابی حضرت نبہان التمار سے ایک خاتون کھجوریں فروخت کرنے کے لیے لے جایا کرتی تھیں۔

حضرت ہالہ گوشت فروخت کیا کرتی تھیں۔ تجارت میں سب سے عظیم مثال حضرت خدیجہ بنت خویلد اسدی کی ہے جو بین الاقوامی مالدار تاجرہ ہی نہیں تھیں بلکہ مردوں سے تجارت کا کام لیتی تھیں۔ اور حضرات حکیم بن حزام اسدی میسرہ وغیرہ ان کے باقاعدہ مہتمم تجارت تھے جبکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ متعدد حضرات نے تجارتی نمائندوں کا کام کیا تھا۔

زراعت

کتبِ حدیث میں بالخصوص متعدد خواتین کی شعبہ زراعت میں کارکردگی کا ذکر ملتا ہے۔ ان میں دو طرح کی خواتین تھیں۔ (۱) باغات نخیل اور زرعی پیداواروں۔ غلہ، اجناس، سبزی اور پھل وغیرہ۔ کی مالک خواتین بھی تھیں اور وہ دوسروں کی مدد سے اور خود بھی پیداوار کرتی تھیں۔ (۲) اپنے زرعی کھیت یا باغ میں اپنے شوہر، والد وغیرہ مردوں کا ہاتھ بٹاتی تھیں۔ ان میں حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیقؓ اپنے شوہر حضرت زبیر کے باغ میں کام کرتی تھیں۔ انصار مدینہ کی خواتین کے اپنے باغات تھے ان میں حضرت ام سلیم بنت ملحان، ام مبشر، ام طلحہ کے علاوہ متعدد دوسری خواتین شامل تھیں۔ حضرت ام ایمن کا بھی باغ تھا۔ مہاجرات بلکہ بعض ازواج مطہرات ام سلمہؓ، حضرت زینب بنت جحش اسدی وغیرہ کی زرعی جائیدادیں طائف و مدینہ وغیرہ میں تھیں جو ان کو وراثت میں ملی تھیں۔

صنعت و دستکاری

حرفہ اور دستکاری سے وابستہ بعض ازواج مطہرات اور دوسری خواتین کا ذکر ملتا ہے۔ حضرت زینب بنت جحش اسدیؓ تو صرف صدقہ وخیرات کے لیے اپنے ہاتھ سے چیزیں بنا

کر فروخت کرتی تھیں اور ان کی آمدنی سے غریبوں اور لاچاروں کی مالی مدد کرتی تھیں۔ ان کے علاوہ دو زیانب ......زوجہ حضرت عبداللہ بن مسعود ہذلی اور زوجہ انصاری...... کے بارے میں ذکر ملتا ہے کہ وہ اپنے گھر کا خرچ چلانے کے لیے دستکاری کرتی تھیں، کیونکہ ان کے شوہروں کی مالی حالت سقیم تھی۔ وہ بقول رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے شوہروں اور اولادوں پر خرچ کر کے دوہرا اجر کماتی تھیں۔ گھریلو ضرورت کے لیے کپڑے بننے، رنگنے، سلنے وغیرہ کے پیشے یا حرفہ سے متعدد بلکہ بہت سی عورتیں وابستہ تھیں جو اپنے شوہروں اور دوسرے خاندان والوں کے لیے کپڑے بُن اور سل لیا کرتی تھیں۔ ازواج مطہرات میں حضرت عائشہ، حضرت زینب اور حضرت اُم سلمہ کے اسمائے گرامی آتے ہیں۔ متعدد خواتین نے خدمت نبوی میں تحائف پیش کرنے کی خاطر اپنے ہاتھ سے مختلف قسم کے کپڑے بنے تھے۔ حضرت عائشہ وغیرہ بعض زیورات بھی بنا لیتی تھیں۔ بعض خواتین خصوصاً انصاری خواتین مدینہ اپنے خاص کاریگر و دستکار غلام رکھتی تھیں اور ان سے دستکاری کر کے مال کماتی تھیں۔ ان میں سے ایک خاتون نے اپنے نجار اجیر کے ذریعہ منبر نبوی بھی بنوایا تھا۔

اجیری و مزدوری

اپنے ہاتھ سے کام کرنے والوں کو ''عمال ایدیھم'' کے معنی خیز نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ اجیری اور مزدوری کا کام بہت سے شعبہ ہائے معاش سے وابستہ تھا۔ ان میں تجارتی مزدور بھی تھے، زرعی اجیر بھی تھے اور دستکاری و چرواہی سے وابستہ مزدور بھی تھے۔ زراعت و چرواہی تو ایک دوسرے کے لازم و ملزوم پیشے ہیں لیکن مالدار عرب تاجروں اور دوسرے

پیشہ کے لوگوں کو بھی مویشی پالنے سے دلچسپی تھی۔ چرواہی کے میدان میں کہا جا سکتا ہے کہ ایک طرح سے خواتین کا سکہ قائم تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انا حضرت ام ایمن خاندان کے مویشی چراتی تھیں۔ سرکاری چراگاہ میں ایک غفاری اجیر کی اہلیہ بھی وابستہ تھیں، اسد الغابہ میں خاص کر ایسی جانور چرانے والی عظیم خواتین کے اسماء گرامی مذکور ملتے ہیں۔

زرعی مزدوروں میں انصار کی خواتین کے بارے میں عام حوالہ ملتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کے ساتھ یہودی مالکانِ باغات کے اندر مختلف کام کرتی تھیں اور بسا اوقات وہ قرضوں کے نہ ادا ہونے کے سبب یہودیوں کی غلام و باندیاں بن جاتی تھیں اور ان کو ان کے مالکان یہودی بھی بنا لیا کرتے تھے۔ ایک نبوی باندی حضرت ربیحہ نامی پہلے یہود بنی قریظہ کے باغات میں کام کرتی تھیں پھر صدقات کے باغات میں اجیر کی خدمت انجام دیتی تھیں۔ سوت کاتنے والی خواتین کا تعلق تجارت کے پیشے سے بھی تھا۔ اسی طرح کپڑا بننے کی صنعت سے وابستہ بہت سی انجان خواتین تھیں جن کا ذکر عام ملتا ہے۔

۳۔ اسلامی قومی میدان

بلندترین اور ہمہ گیر سطح پر بھی عہد نبوی کی خواتین کے حقوق، آزادی اور کارکردگی کے پکے ثبوت اور عظیم نمونے و اُسوے ملتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواتین کو ملی کاموں اور اسلامی قومی میدانوں میں بھی ان کی صلاحیت ولیاقت کے مطابق شامل کر کے عملی اسوہ قائم کیا تھا۔ بعض ایسے میدان کار ہیں جہاں بالعموم مردوں کا اکیلا راج سمجھا جاتا ہے اور بلا شبہ وہ مردانہ کام ہے بھی جیسے فوجی خدمات اور جہاد و غزوات کا میدان لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

اس خاص میدان میں عورتوں کو شامل کر کے اور ان کی خدمات سے استفادہ کر کے اُمت اسلامی کے لیے اسوہ قائم کیا اسی کو اجاگر کرنے کے لیے امام بخاریؒ جیسے محدثین کرام نے مردوں کے ساتھ یا شانہ بشانہ عورتوں کے جہاد کرنے کے مختلف ابواب قائم کئے ہیں۔

غزواتِ نبوی میں خواتین عہد کی شرکت کا سلسلہ غزوۂ احد ۳ / ۶۲۵ سے شروع ہوتا ہے اور غزوۂ تبوک ۹ /۶۳۱ تک جاری رہتا ہے یعنی شروع سلسلہ جہاد سے آخر غزوات تک۔ ان جہادی خواتین کے خدمات تین طرح کی تھیں: (۱) مجاہدین کے لیے کھانا پکانا (۲) زخمیوں اور بیماروں کا علاج معالجہ کرنا اور (۳) شہیدوں کو میدان جنگ سے ہٹانا اور تدفین میں مدد کرنا۔ اس میں عام خدمات کو شامل کر لینا چاہیے، اور سب سے اہم یہ تھا کہ خاص مواقع جنگ وجدال میں خواتین عہد نے نہ صرف مدافعت ودفاع کا فوجی کام انجام دیا تھا بلکہ خالص قتال و جہاد بھی کیا تھا۔ غزوۂ اُحد وغیرہ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت ام سلیم، حضرت ام سلیط، حضرت ربیع بنت معوذ انصاری، حضرت ام عمارہ نسیبہ بنت کعب اور متعدد غفاری اور سلمی اور انصاری خواتین نے مسلم غازیوں کو میدان جنگ میں پانی پلانے کا جرات بھرا کام کیا تھا جو کسی دوسرے ملی اور اسلامی خدمت سے کم نہ تھا۔ فوجی خدماتِ طب وجراحت تو سراسر خواتین عہد کی مرہون منت تھیں۔ حضرت رفیدہ تو ایسی عظیم ماہر جراحت وطب تھیں کہ ان کا خیمہ مسجد نبوی میں لگایا گیا۔ ان کے علاوہ حضرت اُم مطاع اسلمی، ام سنان اسلمی، اور ان کے علاوہ قریب قریب بیس خواتین کا ذکر خیر اس خدمت کے حوالے سے ملتا ہے۔ جنگ وقتال میں باقاعدہ حصہ لینے والی مجاہدات بھی متعدد تھیں: غزوہ

اُحد میں حضرت نسیبہ بنت کعب مازنی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ آور دشمن ابن قمیصہ سے باقاعدہ جنگ کی تھی اور خود سخت زخمی ہوگئی تھیں۔ انہوں نے اپنے فرزند پر حملہ کرنے والے کو قتل کر دیا تھا۔ ان سے زیادہ بعض مجاہدات نے سپاہیوں کو غیرت دلا کر میدانِ جنگ میں ثابت قدم بنانے میں خاص کام کیا تھا۔ غزوہ خندق میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر دراز پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب نے ایک یہودی دشمن کا سر کاٹ لیا تھا۔ غزوہ حنین میں حضرت ام سلیم نے اسی مقصد سے خنجر سنبھال رکھا تھا۔

اسفار وغزوات میں ازواج مطہرات کی شرکت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک خاص اور غیر مبدل سنت یہ بھی تھی کہ وہ ہر مذہبی سفر جیسے عمرہ وحج اور ہر فوجی اقدام جیسے غزوات میں خواتین عہد کے ساتھ بعض ازواج مطہرات کو اپنے ساتھ ضرور لے جاتے تھے۔

ملی زندگی میں خواتین کی شرکت کا ایک اور اشاریہ نماز پنجگانہ، عیدین اور دوسری نمازوں صلوۃ الکسوف وجمعہ وغیرہ میں ان کی شرکت پر اصرار نبوی ملتا ہے۔ خاص کر ان احادیث کے تناظر میں اس اصرار کو دیکھنا چاہیے، جن میں عورتوں کے گھروں بلکہ گھروں کے کونوں کھدروں میں نماز ادا کرنے کی فضیلت پر ارشادات و ہدایات ملتے ہیں اور اس پس منظر میں بھی کہ باجماعت نماز، جمعہ، عیدین وغیرہ ان کے لیے واجب نہ تھیں اس کے باوجود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواتین کو مسجدوں میں جانے پر اصرار کیا اور صحابہ کرامؓ کا ذہنی تحفظات کے باوجود ان کو جانے سے منع نہ کرنے کا حکم دیا، عیدین میں تمام عورتوں، بچیوں کی شرکت اور نماز اور نماز سے

وابستہ تقریباتِ عبادت و مسرت میں ان کی موجودگی بہت اہم اشاریہ ہے۔

مذکورہ بالا تینوں بنیادی محوروں کو سب سے الگ تھلگ اور آزاد اکائی یعنی Water light compartment نہیں سمجھنا چاہیے، سماجی زندگی ہو یا عام دینی زندگی اس کو الگ تھلگ خانوں اور زمروں میں نہیں بانٹا جاسکتا۔ یہ تقسیمات صرف اپنی آسانی اور مسئلہ کی تقسیم کے لیے ہوتی ہیں۔ ورنہ زندگی اور دین دونوں ایک بہتا ہوا دریا ہے جو کسی حد بندی کو قبول نہیں کرتے اور ایک محور یا میدان دوسرے اور تیسرے سے وابستہ ہوتا ہے مثلاً گھریلو زندگی میں عورت صرف اپنے گھر کے افراد و شخصیات سے ہی کلی طور پر متعلق نہیں ہوتی گھر کے باہر دوسرے افراد خاندانوں سے بھی ارتباط رکھتی ہے شادی بیاہ ولادت عقیقہ، نان نفقہ، اور عام زندگی کے کتنے ہی پہلو ایسے ہوتے ہیں جو اسے بیک وسیع تر سماج سے جوڑ دیتے ہیں۔ دوسرے محور یا زمرے کی بیشتر چیزیں ملی وقومی سطح تک وسیع ہوتی ہیں۔ دینی و مذہبی تربیت اور تعلیم دین ایک طرف بنیادی گھریلو چیز بھی ہے اور اس سے وسیع تر سماجی زندگی کا بھی حصہ ہے اور ان کا ملی وقومی ارتباط تو بالکل واضح ہے۔ وہ پوری ملت کی ضروریات کی کفالت کرتی ہیں۔ اسی طرح سماجی زیارتیں، معاشرتی روابط اور تہذیبی تعلقات صرف ایک علاقہ، شہر تک محدود نہیں رہتے وہ پوری قومی زندگی کو متاثر کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جناب عبدالمطلب ہاشمی ہر سال مدینہ منورہ کے بنونجاز کے اخوال سے ملاقات کے لیے آتے تھے اور ان کے جد امجد نے تو اپنے سرحدی علاقے میں آباد قبیلہ بنوعذرہ وغیرہ کی مدد سے مکہ مکرمہ کی سیادت و سیاست میں اپنا حصہ حاصل کیا تھا۔ ازواجی اور مصاہرت کے تعلقات کی وسعت

دراصل قومی اور ملی تھی۔ اسی طرح رضاعت کے رشتوں نے کتنے بدوی قبائل اور شہری طبقات کو قومی سطح پر ایک دوسرے سے باندھ دیا تھا۔ اقتصادی و معاشی مشاغل اور پیشے بالخصوص تجارت کی نوعیت ملی وقومی سے زیادہ بین الاقوامی بن گئی تھی خاص کر حرمین کے لوگوں کے لیے سورۂ ایلاف میں اسی بین الاقوامیت کا کنایہ ہے اور حضرت خدیجہؓ اور بعض دوسرے صحابیات کے تجارتی تعلقات وروابط بین الاقوامی تھے۔ بہرحال عہد نبوی کی خواتین اپنے دور کے تینوں محوروں پر سرگرم تھیں اور ان کو ان تینوں محاذوں پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پورے حقوق، آزادی اور خودمختاری عطا کی تھی۔ اور انہوں نے اپنی بساط بھر اور اپنی صنفی اور فطری پابندیوں کے باوجود پورے معاشرے میں اپنا کردار ادا کیا تھا۔

حجاب بلاشبہ قرآن و حدیث اور اسوۂ نبوی سے ثابت ہے لیکن اسکا مفہوم عورت کو گھر کی چہار دیواری میں محصور کرنا نہیں ہے۔ عورت ساتر لباس اور مہذب جلباب کے ساتھ گھر سے باہر اپنی تمام ضروریات وحوائج کے لیے نکل سکتی ہے اس کی وضاحت حضرت سودہؓ کے واقعہ کے بارے میں وحی حدیث سے اصولی طور سے اور عہد نبوی کے بے شمار واقعات سے عملی طور سے ہوتی ہے۔ عہد نبوی میں عورتوں کو گھر بند نہیں کیا گیا ازواج مطہرات کے بارے میں (سورۂ احزاب ۵۳) ہوں یا دوسری مسلم خواتین کے بارے میں ہوں ان کا اطلاق ونفاذ جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عہد میں کیا تھا وہی مقصود مطلوب ہے۔ ان کے نزول کے باوجود ازواج مطہرات اور متعدد مسلم خواتین کو غزوات و مہمات جیسی خطرناک ملی ضرورتوں میں شریک کیا گیا اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت

ابن ام مکتوم کی آمد پر اپنی دو ازواج مطہرات کو پردہ کرنے کا حکم دیا تھا تو ان ہی نابینا صحابی کے گھر حضرت فاطمہ بنت قیس کو طلاق کی عدت گذارنے کا حکم دیا تھا۔ ایک طرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرد وعورت کو تنہائی میں ملنے سے روکا تو دو چار کی جماعت میں میل ملاپ میں حرج نہیں سمجھا اختلاطِ مرد وزن کے اصول وآداب صرف ایک دو ارشادات میں محصور نہیں، بہتر اُصول وقواعد اوران سے زیادہ تعامل واسوہ کے شواہد میں موجود ہیں۔

قوامیتِ مردانہ کے اصولِ قرآنی میں بلاشبہ مردوں کو عورتوں پر بحیثیت مجموعی فضیلت دو اسباب سے دی گئی ہے: ایک فطری فضیلت کی وجہ سے اور دوسری انفاق کی بنا پر۔ لیکن یہ مردانہ حاکمیت نہیں ہے جس میں عورت کو محکوم سمجھا جائے۔ مرد معاشرہ وخاندان میں منتظم کی حیثیت رکھتا ہے۔ انفاق کا معاملہ بھی اسی طرح ہے کہ خرچ چلانے یا کمانے کا وہ ذمہ دار ہے مگر عورت سے کمانے، کام کرنے اور انفاق کرنے سے روکا بھی نہیں گیا ہے۔ بہت سی خواتین نے تجارت، زراعت، صنعت واجرت کے ذریعہ اپنی دولت کمائی اوران کو کبھی روکا نہیں گیا۔ اسی طرح دوسرے معاشرتی معاملات میں بھی قاعدہ ہے۔ بلاشبہ فطری طور سے اور جسمانی لحاظ سے عورت صنف نازک ہے اور وہ صنف قوی کے مقابلے میں وہ درجہ نہیں رکھتی جو مرد قوی رکھتا ہے تاہم اس کا مطلب عورت کو ہر لحاظ سے ناقص قرار دینا بھی صحیح نہیں۔ کتنی ہی خواتین اپنی فطری واکتسابی صلاحیتوں کی بنا پر مردوں سے زیادہ قوی ذہین اور قوامہ ہوتی ہیں۔ عہد نبوی کے معاشرہ میں خواتین کو پورے معاشرتی نظام میں ہر سطح پر منصفانہ مقام دیا گیا تھا۔

بنتِ فیصل

اپریل فول

تاریخی وشرعی حیثیت

اسلام ایک آفاقی مذہب ہے۔ اس نے زندگی کے تمام شعبہ جات کے لیے اپنے ماننے والوں کو بہترین اور عمدہ اصول وقوانین پیش کیے ہیں۔ اخلاقی زندگی ہو یا سیاسی، معاشرتی ہو یا اجتماعی اور سماجی ہر قسم کی زندگی کے ہر گوشہ کے لیے اسلام کی جامع ہدایات موجود ہیں اور اسی مذہب میں ہماری نجات مضمر ہے۔

مگر آج ہمیں یورپ اور یہود ونصاریٰ کی تقلید کا شوق ہے اور مغربی تہذیب کے ہم دلدادہ ہیں۔ یورپی تہذیب وتمدن اور

طرزِ معاشرت نے مسلمانوں کی زندگی کے مختلف شعبوں کو اپنے رنگ میں رنگ دیا ہے۔ مسلمانوں کی زندگی میں انگریزی تہذیب کے بعض ایسے اثرات بھی داخل ہو گئے ہیں، جن کی اصلیت و ماہیت پر مطلع ہونے کے بعد ان کو اختیار کرنا انسانیت کے قطعاً خلاف ہے؛ مگر افسوس کہ آج مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ ان اثرات پر مضبوطی سے کاربند ہے؛ حالاں کہ قوموں کا اپنی تہذیب وتمدن کو کھودینا اور دوسروں کے طریقۂ رہائش کو اختیار کر لینا ان کے زوال اور خاتمہ کا سبب ہوا کرتا ہے۔ مذہبِ اسلام کا تو اپنے متبعین سے یہ مطالبہ ہے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ ادْخُلُواْ فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَلاَ تَتَّبِعُواْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ" (البقرہ آیت ۲۰۸)

ترجمہ: اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدم پر مت چلو، یقیناً وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ (بیان القرآن)

یہود و نصاریٰ کی جو رسومات ہمارے معاشرہ میں رائج ہوتی جا رہی ہیں، انہیں میں سے ایک رسم "اپریل فول" منانے کی رسم بھی ہے۔ اس رسم کے تحت یکم اپریل کی تاریخ میں جھوٹ بول کر کسی کو دھوکا دینا، مذاق کے نام پر بے وقوف بنانا اور اذیت دینا نہ صرف جائز سمجھا جاتا ہے؛ بلکہ اسے ایک کمال قرار دیا جاتا ہے۔ جو شخص جتنی صفائی اور چابک دستی سے دوسروں کو جتنا بڑا دھوکا دے دے، اُتنا ہی اُس کو ذہین، قابلِ تعریف اور یکم اپریل کی تاریخ سے صحیح فائدہ اٹھانے والا سمجھا جاتا ہے۔ یہ رسم اخلاقی، شرعی اور تاریخی ہر اعتبار سے خلافِ مروت، خلافِ تہذیب اور انتہائی شرمناک ہے۔ نیز عقل ونقل کے بھی خلاف ہے۔

اس رسم بد کی دو حیثیتیں ہیں: (۱) تاریخی۔ (۲) شرعی۔

اپریل فول کی تاریخی حیثیت

اس رسم کی ابتداء کیسے ہوئی؟ اس بارے میں مؤرخین کے بیانات مختلف ہیں۔ ہم یہاں ان میں سے تین اقوال پیش کرتے ہیں؛ تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ عقل وخرد کے دعوے داروں نے اس رسم کو اپنانے میں کیسی بے عقلی اور حماقت کا ثبوت دیا ہے۔

(۱) بعض مصنّفین کا کہنا ہے کہ فرانس میں سترہویں صدی سے پہلے سال کا آغاز جنوری کے بجائے اپریل سے ہوا کرتا تھا، اس مہینے کو رومی لوگ اپنی دیوی "وینس" (Venus) کی طرف منسوب کرکے مقدس سمجھا کرتے تھے، تو چوں کہ سال کا یہ پہلا دن ہوتا تھا؛ اس لیے خوشی میں اس دن کو جشن کے طور پر منایا کرتے تھے اور اظہارِ خوشی کے لیے آپس میں ہنسی مذاق بھی کیا کرتے تھے، تو یہی چیز رفتہ رفتہ ترقی کرکے اپریل فول کی شکل اختیار کرگئی۔

(۲) انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا میں اس رسم کی ایک اور وجہ بیان کی گئی ہے کہ اکیس مارچ سے موسم میں تبدیلیاں آنی شروع ہوجاتی ہیں، ان تبدیلیوں کو بعض لوگوں نے اس طرح تعبیر کیا کہ (معاذ اللہ) قدرت ہمارے ساتھ اس طرح مذاق کرکے ہمیں بے وقوف بنارہی ہے؛ لہٰذا لوگوں نے بھی اس زمانے میں ایک دوسرے کو بے وقوف بنانا شروع کردیا۔ (انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا ۱/۴۹۶ بحوالہ "ذکروفکر" ص ۶۷، مفتی تقی عثمانی مدظلہ)

(۳) ایک تیسری وجہ انیسویں صدی عیسوی کی معروف انسائیکلو پیڈیا "لاروس" نے بیان کی ہے اور اسی کو صحیح قرار دیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جب یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرلیا اور رومیوں کی عدالت میں پیش کیا تو رومیوں اور یہودیوں کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تمسخر اور استہزاء کا نشانہ بنایا گیا، ان کو پہلے یہودی سرداروں اور فقیہوں کی عدالت میں پیش کیا گیا، پھر وہ انہیں پیلاطُس کی عدالت میں فیصلہ کے لیے لے گئے، پھر پیلاطس نے ان کو ہیرودیس کی عدالت میں بھیج دیا اور بالآخر ہیرودیس نے دوبارہ فیصلہ کے لیے ان کو پیلاطس ہی کی عدالت میں بھیج دیا۔ لُوقا کی انجیل میں اس واقعہ کو اس طرح نقل کیا گیا ہے:

"اور جو آدمی یسوع کو پکڑے ہوئے تھے اس کو ٹھٹھوں میں اُڑاتے اور مارتے تھے اور اس کی آنکھیں بند کرکے اس سے پوچھتے تھے کہ نبوت سے بتا تجھے کس نے مارا؟ اور انھوں نے طعنہ سے اور بھی بہت سی باتیں اس کے خلاف کہیں۔" (انجیل لوقا، ب ۲۲، آیت ۶۳-۶۵، ص ۲۲۷)

اور انجیل لوقا ہی میں ہیرودیس کا پیلاطُس کے پاس واپس بھیجنا ان الفاظ سے منقول ہے:

"پھر ہیرودیس نے اپنے سپاہیوں سمیت اُسے ذلیل کیا اور ٹھٹھوں میں اڑایا اور چمک دار پوشاک پہنا کر اس کو پیلاطس کے پاس واپس بھیجا۔" (انجیل لوقا، ب ۲۳، آیت ۱۱، ص ۲۲۸)

لاروس کا کہنا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو ایک عدالت سے دوسری عدالت میں بھیجنے کا مقصد بھی ان کے ساتھ مذاق کرنا اور انھیں تکلیف پہنچانا تھا؛ چونکہ یہ واقعہ یکم اپریل کو پیش آیا تھا، اس لیے اپریل فول کی رسم درحقیقت اسی شرمناک واقعے کی یادگار ہے۔ (ذکر و فکر ص ۶۷-۶۸)

اگر یہ بات درست ہے تو غالب گمان یہی ہے کہ یہ رسم یہودیوں نے جاری کی ہوگی اور اس کا منشاء حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تضحیک ہوگی؛ لیکن یہ بات حیرت ناک ہے کہ جو رسم یہودیوں نے (معاذ اللہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہنسی اڑانے کے لیے جاری کی اس کو عیسائیوں نے کس طرح قبول کرلیا؛ بلکہ خود اس کے رواج دینے میں شریک ہوگئے؛ جبکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ صرف رسول؛ بلکہ ابن اللہ کا درجہ دیتے ہیں۔قرینِ قیاس یہ ہے کہ یہ ان کی دینی بدذوقی یا بے ذوقی کی تصویر ہے۔جس طرح صلیب، کہ ان کے عقیدہ کے مطابق اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی گئی ہے، تو ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس کی شکل سے بھی ان کو نفرت ہوتی؛ لیکن ان پر خدا کی مار یہ ہے کہ اس پر انھوں نے اس طرح تقدس کا غازہ چڑھایا کہ وہ ان کے نزدیک مقدس شے بن کر ان کے مقدس مقامات کی زینت بن گئی۔ بس اسی طرح اپریل فول کے سلسلہ میں بھی انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دشمنوں کی نقالی شروع کردی۔ اللّٰھم احفظنا منہ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عیسائی اس رسم کی اصلیت سے ہی واقف نہ ہوں اور انھوں نے بے سوچے سمجھے اس پر عمل شروع کردیا ہو۔ واللہ اعلم

اپریل فول کی شرعی حیثیت

مندرجہ بالا تفصیل سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ تاریخی اعتبار سے یہ رسم بد قطعاً اس قابل نہیں کہ اس کو اپنایا جائے؛ کیونکہ اس کا رشتہ یا توکسی توہم پرستی سے جڑا ہوا ہے، جیسا کہ پہلی صورت میں، یا کسی گستاخانہ نظریے اور واقعے سے جڑا ہوا ہے؛ جیسا کہ دوسری اور تیسری صورت میں۔ اس کے علاوہ یہ رسم اس لیے بھی قابلِ ترک ہے کہ یہ مندرجہ ذیل کئی گناہوں کا مجموعہ ہے:

(۱) مشابہت کفار و یہود و نصاریٰ

(۲) جھوٹا اور ناحق مذاق

(۳) جھوٹ بولنا

(۴) دھوکہ دینا

(۵) دوسرے کو اذیت پہنچانا

ان میں سے ہر ایک پر الگ الگ عنوانات کے تحت مختصر کلام کیا جاتا ہے؛ تاکہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ احادیثِ شریفہ میں ان گناہوں پر کتنی سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔

کفار اور یہود و نصاریٰ کی مشابہت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین کی مشابہت اور بود و باش اختیار کرنے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے، مثلاً: آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے داڑھی رکھنے کا اور مشرکین و مجوس کی مخالفت کرنے کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح یہود کی مشابہت سے بچنے کے

لیے دسویں محرم کے ساتھ نویں تاریخ کو روزہ رکھنے کا بھی حکم فرمایا۔غرض کہ ہر موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر قوموں کے طریقۂ زندگی کو اپنانے سے منع فرمایا ہے۔اور ان الفاظ میں وعید فرمائی ہے کہ:"من تشبّہ بقوم فھو منھم"(مشکوۃ شریف ۲ / ۳۷۵)یعنی جو شخص کسی قوم سے مشابہت اور ان کے طور طریقے کو اختیار کرے گا اس کا شمار انہی میں ہوگا؛ مگر افسوس کہ غیر قوموں کا طریقہ ہی آج ہمیں پسند ہے۔

حالانکہ ہمیشہ ان لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دی ہے، آپ کی حیات میں بھی اور وفات ظاہری کے بعد بھی۔ نیز ہمیشہ ان کی کوششیں دین اسلام اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے پر صرف ہوتی ہیں؛ مگر ہم مسلمان ذرا اس بات پر غور نہیں کرتے اور انہیں کے طور طریقوں میں مگن رہتے ہیں اور اپنے عمل سے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دیتے ہیں۔

ایک عبرت ناک واقعہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرّہ کے مواعظ میں کسی جگہ ایک واقعہ منقول ہے کہ ایک پیر صاحب غیر مسلموں کے تہوار"ہولی" کے دن پان کھاتے ہوئے اپنے مریدین کے ساتھ جا رہے تھے، پورا راستہ ہولی کے رنگ سے رنگا ہوا تھا۔رنگی ہوئی سڑک پر ایک گدھا کھڑا ہوا عجیب سا معلوم ہو رہا تھا، پیر صاحب نے از راہِ مذاق پان کی پیک یہ کہتے ہوئے گدھے پر تھوک دی کہ"تجھ کو کسی نے نہیں رنگا، میں ہی رنگ دیتا ہوں"۔القصہ پیر صاحب کی وفات کے بعد کسی مرید نے ان کو خواب میں دیکھا کہ عذاب

میں مبتلا ہیں، پوچھنے پر فرمایا کہ ہولی کے دن کے واقعہ کی پکڑ ہوگئی۔ خدا کی پناہ!

جھوٹا اور ناحق مذاق

اسلام نے خوش طبعی، مذاق اور بذلہ سنجی کی اجازت دی ہے۔ بارہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کے ساتھ مذاق فرمایا ہے؛ لیکن آپ کا مذاق جھوٹا اور تکلیف دہ نہیں ہوتا تھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ

یارسول اللہ انّك تداعبنا۔ قال: انّی لا اقول الاّ حقًّا

(ترمذی شریف: ۲/ ۲۰)

ترجمہ: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ تو ہمارے ساتھ دل لگی فرماتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ (میں دل لگی ضرور کرتا ہوں مگر) سچی اور حق بات کے علاوہ کچھ نہیں بولتا۔

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے مذاق میں دوسرے شخص کا جوتا غائب کر دیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کا علم ہوا، تو آپ نے ارشاد فرمایا:

لا تُرَوِّعُوا الْمُسْلِمَ فَاِنَّ رَوْعَةَ المسلم ظلم عظیم

(الترغیب والترہیب ۳/ ۴۸۴)

ترجمہ: کسی مسلمان کو مت ڈراؤ (نہ حقیقت میں نہ مذاق میں) کیونکہ کسی مسلمان کو

ڈرانا بہت بڑا ظلم ہے۔

امام غزالی تحریر فرماتے ہیں کہ مزاح و مذاق پانچ شرطوں کے ساتھ جائز؛ بلکہ حسنِ اخلاق میں داخل ہے اور ان میں سے کوئی ایک شرط مفقود ہو جائے تو پھر مذاق ممنوع اور ناجائز ہے۔

(۱) مذاق تھوڑا یعنی بقدرِ ضرورت ہو

(۲) اس کا عادی نہ بن جائے

(۳) حق اور سچی بات کہے

(۴) اس سے وقار اور ہیبت کے ختم ہونے کا اندیشہ نہ ہو

(۵) مذاق کسی کی اذیّت کا باعث نہ ہو (احیاء العلوم اردو ۳/ ۳۲۴-۳۲۶)

سفیان بن عیینہ سے کسی نے کہا کہ مذاق بھی ایک آفت ہے، انھوں نے فرمایا کہ نہیں؛ بلکہ سنت ہے؛ مگر اس شخص کے حق میں جو اس کے مواقع جانتا ہو اور اچھا مذاق کر سکتا ہو۔ (خصائل نبوی، ص ۱۵۳)

بہر حال حاصل یہ ہے کہ جھوٹے اور تکلیف دہ مذاق کی شریعت اسلامیہ میں کوئی گنجائش نہیں؛ بلکہ اس طرح کا مذاق مذموم ہے۔

جھوٹ بولنا

اس رسم ”اپریل فول“ میں سب سے بڑا گناہ جھوٹ ہے؛ جبکہ جھوٹ بولنا دنیا و آخرت میں سخت نقصان اور محرومی کا سبب ہے۔ نیز اللہ رب العالمین اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

ناراضی کا باعث ہے۔

قرآن کریم میں جھوٹ بولنے والوں پر لعنت کی گئی ہے۔ ارشاد مبارک ہے:

فنجعل لعنة الله على الكاذبين (آل عمران آیت ۶۱)

ترجمہ: پس لعنت کریں اللہ تعالیٰ کی ان لوگوں پر جو کہ جھوٹے ہیں۔

نیز احادیث شریفہ میں بھی مختلف انداز سے اس بدترین وذلیل ترین گناہ کی قباحت وشناعت بیان کی گئی ہے۔

حدیث ۱: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اذا كَذَبَ العبدُ تَبَاعَدَ عنه المَلَكُ مِيلاً من نَتَنِ ما جاء به

(ترمذی شریف ۲/۱۹)

ترجمہ: جب آدمی جھوٹ بولتا ہے تو اس کلمہ کی بدبو کی وجہ سے جو اس نے بولا ہے رحمت کا فرشتہ اس سے ایک میل دور چلا جاتا ہے۔

حدیث ۲: ایک حدیث شریف میں آپ نے جھوٹ کو ایمان کے منافی عمل قرار دیا، حضرت صفوان بن سُلیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ

أيكون المؤمن جبانا؟ قال: نعم، فقيل له أيكون المؤمن بخيلا؟ قال: نعم، فقيل له أيكون المؤمن كذّابا؟ قال: لا

(موطا امام مالک ص ۳۸۸)

ترجمہ: کیا مومن بزدل ہوسکتا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں، (مسلمان میں یہ کمزوری ہوسکتی ہے) پھر عرض کیا گیا کہ کیا مسلمان بخیل ہوسکتا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں (مسلمان میں یہ کمزوری بھی ہوسکتی ہے) پھر عرض کیا گیا کیا مسلمان جھوٹا ہوسکتا ہے؟ آپ نے جواب عنایت فرمایا کہ نہیں، (یعنی ایمان کے ساتھ بے باکانہ جھوٹ کی عادت جمع نہیں ہوسکتی اور ایمان جھوٹ کو برداشت نہیں کرسکتا)۔

حدیث ۳: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے فجر کی نماز کے بعد اپنا خواب لوگوں سے بیان فرمایا کہ آج رات میں نے یہ خواب دیکھا کہ دو آدمی (فرشتے) میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر ارضِ مقدس کی طرف لے گئے تو وہاں دو آدمیوں کو دیکھا، ایک بیٹھا ہے اور دوسرا کھڑا ہوا ہے، کھڑا ہوا شخص بیٹھے ہوئے آدمی کے کلّے کو لوہے کی زنبور سے گدّی تک چیرتا ہے، پھر دوسرے کلّے کو اسی طرح کاٹتا ہے۔ اتنے میں پہلا کلّا ٹھیک ہوجاتا ہے اور برابر اس کے ساتھ یہ عمل جاری ہے۔ میرے پوچھنے پر انھوں نے بتایا کہ:

اَمَّا الَّذِیْ رَأَیْتَه یُشَقُّ شِدْقُه فَکَذَّابٌ یُحَدِّثُ بِالْکَذِبَةِ فَتُحْمَلُ عَنْهُ حَتّٰی تَبْلُغَ الْاٰفَاقَ فَیُصْنَعُ بِه اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ

(بخاری شریف ۱/ ۱۸۵۔ ۲/ ۹۰۰۔ ۲/ ۱۰۴۳)

ترجمہ: بہرحال وہ شخص جس کو آپ نے دیکھا کہ اس کے کلّے چیرے جارہے ہیں، وہ

ایسا بڑا جھوٹا ہے جس نے ایسا جھوٹ بولا کہ وہ اس سے نقل ہو کر دنیا جہاں میں پہنچ گیا؛ لہٰذا اس کے ساتھ قیامت تک یہی معاملہ کیا جاتا رہے گا۔

حدیث ۴: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں جھوٹ بولنے کو بڑی خیانت قرار دیا ہے۔ حضرت سفیان ابن اسید حضرمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كَبُرَتْ خِيَانَةً أَنْ تُحَدِّثَ اَخَاكَ حَدِيْثًا هُوَ لَكَ بِهٖ مُصَدِّقٌ وَاَنْتَ بِهٖ كَاذِبٌ (مشکوٰۃ شریف ۲/ ۴۱۳)

ترجمہ: یہ بڑی خیانت ہے کہ تو اپنے بھائی سے ایسی گفتگو کرے جس میں وہ تجھے سچا سمجھتا ہو حالانکہ تو اس سے جھوٹ بول رہا ہو۔

حدیث ۵: اسی طرح ایک حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جھوٹ بولنے سے بچنے پر (اگر چہ مذاق سے ہی ہو) جنت کی ضمانت لی ہے۔ حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَنَا زَعِيْمٌ بِبَيْتٍ فِيْ وَسَطِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْكِذْبَ وَاِنْ كَانَ مَازِحًا

(الترغیب والترہیب ۳/ ۵۸۹)

ترجمہ: میں اس شخص کے لیے جنت کے بیچ میں گھر کی کفالت لیتا ہوں جو جھوٹ کو چھوڑ دے، اگر چہ مذاق ہی میں کیوں نہ ہو۔

حدیث ۶: حضرت بہز بن حکیم اپنے والد معاویہ کے واسطہ سے اپنے دادا حیدہ سے

روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وَيْلٌ لِلَّذِيْ يُحَدِّثُ بِالْحَدِيْثِ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ فَيَكْذِبُ ويل له ويل له (ترمذی شریف ۲/ ۵۵، ابوداؤد ۲/ ۶۸۱)

ترجمہ: جو شخص لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولے اس کے لیے بربادی ہو، بربادی ہو، بربادی ہو۔

مطلب یہ ہے کہ صرف لطف صحبت اور ہنسنے ہنسانے کے لیے جھوٹ بولنا بھی ممنوع ہے۔ آج کل لوگ نت نئے چٹکلے تیار کرتے ہیں اور محض اس لیے جھوٹ بولتے ہیں تاکہ لوگ ہنسیں، انہیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد یاد رکھنا چاہیے اور اس برے فعل سے باز آنا چاہیے۔

دھوکہ دینا

اپریل فول کی رسم بد میں چوتھا گناہ، مکر وفریب ہے؛ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گناہ پر سخت الفاظ سے وعید بیان فرمائی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا (مسلم شریف ۱/ ۷۰)

جو شخص ہم کو (مسلمانوں کو) دھوکا دے اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الموٴمنون بعضهم لِبَعْضٍ نَصَحَةٌ وَادُّون، وَانْ بَعُدَتْ منازلهم وَاَبْدَانُهُمْ وَالفَجَرَةُ بعضهم لبعضٍ غَشَشَةٌ مُتَخَاوِنُوْنَ وَاِنْ اقْتَرَبَتْ مَنَازِلُهُمْ وَاَبْدَانُهُمْ (الترغیب والترہیب ۲/۵۷۵)

ترجمہ: موٴمنین آپس میں ایک دوسرے کے خیر خواہ اور محبت کرنے والے ہوتے ہیں اگرچہ ان کے مکانات اور جسم ایک دوسرے سے دور ہوں اور نافرمان لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ دھوکے باز اور خائن ہوتے ہیں، اگر ان کے گھر اور جسم قریب ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ دھوکہ بازی اللہ تعالیٰ سے بغاوت کرنے والوں اور نافرمانوں کا عمل ہے، موٴمنین کا عمل تو ایک دوسرے کے ساتھ خیر خواہی کرنا ہے۔ لہٰذا کسی بھی ایمان والے کو دوسروں کے ساتھ دھوکے کا معاملہ نہیں کرنا چاہیے۔

ایک عبرت ناک واقعہ

عبدالحمید بن محمود معولی کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی مجلس میں حاضر تھا، کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم حج کے ارادہ سے نکلے ہیں جب ہم ذات الصفاح (ایک مقام کا نام) پہنچے تو ہمارے ایک ساتھی کا انتقال ہوگیا، ہم نے اس کی تجہیز وتکفین کی، پھر قبر کھودنے کا ارادہ کیا، جب ہم قبر کھود چکے تو ہم نے دیکھا کہ ایک بڑے کالے ناگ نے پوری قبر کو گھیر رکھا ہے، اس کے بعد ہم نے دوسری جگہ قبر کھودی تو وہاں بھی وہی سانپ موجود تھا۔ اب ہم میّت کو ویسے ہی چھوڑ کر آپ کی خدمت

میں آئے ہیں کہ ہم ایسی صورتِ حال میں کیا کریں؟ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ سانپ اس کا وہ بدعمل ہے جس کا وہ عادی تھا، جاؤ اس کو اسی قبر میں دفن کردو، اللہ کی قسم اگر تم اس کے لیے پوری زمین کھود ڈالو گے پھر بھی وہ سانپ اس کی قبر میں پاؤ گے۔ بہرحال اسے اسی طرح دفن کردیا گیا۔ سفر سے واپسی پر لوگوں نے اس کی بیوی سے اس کا عمل پوچھا، تو اس نے بتایا کہ اس کا یہ معمول تھا کہ وہ غلہ کا تاجر تھا اور روزانہ بوری میں سے گھر کا خرچ نکال کر اس میں اسی مقدار کا بھس ملا دیتا تھا۔ (گویا کہ دھوکہ سے بھس کو اصل غلہ کی قیمت پر فروخت کرتا تھا)۔ (شرح الصدور للسیوطی، ص ۱۷۴)

دوسرے کو تکلیف دینا

ایک حدیث شریف میں صحیح اور کامل مسلمان اس کو قرار دیا گیا ہے جو کسی مسلمان بھائی کو تکلیف نہ دے؛ بلکہ ہمارا مذہب اسلام تو یہ تعلیم دیتا ہے کہ ایک مومن کے ہاتھ وغیرہ سے پوری دنیا کے انسان (مسلم ہو یا غیر مسلم) محفوظ ہونے چاہئیں؛ بلکہ جانوروں کو تکلیف دینا بھی انتہائی مذموم، بدترین اور شدید ترین گناہ؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری کا سبب ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے اور صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ

(بخاری شریف ۱/۶، مسلم شریف ۱/۴۸)

ترجمہ: کامل مسلمان وہ شخص ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

اَلْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰی دِمَائِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ

(ترمذی شریف ۲/ ۹۰)

ترجمہ: کامل مومن وہ شخص ہے جس سے تمام لوگ اپنے خونوں اور مالوں پر مامون و بے خوف وخطر رہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَلْعُوْنٌ مَنْ ضَارَّ مُؤْمِنًا أَوْ مَكَرَ بِهٖ (ترمذی شریف ۲/ ۱۵)

ترجمہ: وہ شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہے جو کسی مومن کو نقصان پہنچائے یا اس کے ساتھ چال بازی کا معاملہ کرے۔

مندرجہ بالا تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ "اپریل فول" بہت سارے بدترین گناہوں کا مجموعہ ہے؛ لہٰذا اب ہم مسلمانوں کو خود فیصلہ کرلینا چاہیے کہ آیا یہ رسمِ بد اس لائق ہے کہ مسلمان معاشرہ میں اپنا کر اس کو فروغ دیا جائے؟ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس طرح کی تمام برائیوں سے محفوظ فرمائے اور دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے، آمین یارب العالمین!

اُم احمد

دعاءِ رسول ﷺ کے مستحق بنیے

دعا کرنا اور دعاؤں کی درخواست کرنا مسنون عمل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کائنات کی سب سے عظیم اور مستجاب الدعوات ہستی ہیں۔ ذیل میں احادیث کی کتابوں سے آپ کی بعض ایسی دعائیں نقل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جہاں کسی مخصوص عمل کرنے والوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی دعا دی ہو۔

پہلا عمل: فراخ دل اور نرم خو ہونا

''صحیح بخاری'' میں ہے:

"عن جابر بن عبد الله رضی الله عنهما: أن رسول الله صلی الله علیه وسلم، قال: "رحم الله رجلاً سمحاً إذا باع، و إذا اشتری، وإذا اقتضی۔"

(صحیح البخاری، کِتَابُ البُیُوعِ، بَابُ السُّهُولَةِ وَالسَّمَاحَةِ فِي الشِّرَاءِ وَالبَيْعِ، وَمَنْ طَلَبَ حَقًّا فَلْيَطْلُبْهُ فِي عَفَافٍ، ج:۳،ص:۵۷)

ترجمہ: ''جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو خرید و فروخت اور مطالبہ کے وقت نرمی کرے۔''

جو شخص خرید و فروخت اور اپنے حق کے مطالبہ کے وقت فراخ دلی اور نرمی سے کام لیتا ہے، اس کے لیے اس روایت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی دعا فرمائی گئی ہے۔ رحمت کا لفظ زیادہ استعمال ہونے کی وجہ سے بسا اوقات اس کا حقیقی مفہوم ہمارے ذہنوں سے اوجھل ہو جاتا ہے، اس لیے جن اعمال پر رحمت کی خوشخبری دی جاتی ہے یا اس کی دعا کی گئی ہے، وہ ہمارے اندر کچھ زیادہ حرکت پیدا کرنے کا سبب نہیں بنتی۔ غور کیا جائے تو رحمت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص قسم کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے جس کی بدولت اللہ تعالیٰ کی طرف ہر قسم کے الطاف و عنایات کا دروازہ کھل جاتا ہے اور ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق متنوع نعمتیں حاصل کرتا ہے، لہٰذا رحمت کی دعا کو معمولی خیال نہ کیا جائے، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ہر قسم کی نعمتیں حاصل کرنے کا ایک راستہ ہے۔ اس قدر عظیم دولت حاصل کرنے کے لیے

اگر کوئی نرم خوئی اور وسعتِ ظرفی کا مزاج بنائے تو کچھ گھاٹے کا سودا نہیں ہے۔

دوسرا عمل: حدیث یاد کرنا اور آگے پہنچانا

"عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: نَضَّرَ اللهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِيثًا، فَحَفِظَهُ حَتَّى يُبَلِّغَهُ، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ لَيْسَ بِفَقِيهٍ۔"

(سنن أبي داود، كتاب العلم، باب فضل نشر العلم، ج: ۳، ص: ۳۲۲)

ترجمہ: "حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: اللہ تعالیٰ اس شخص کو تازہ رکھے، جس نے ہم سے ایک بات سنی اور یاد کر کے آگے پہنچائی، کیونکہ بعض حاملِ فقہ (یعنی علم دین کے حامل) یہ بات اس شخص کو پہنچا دیتا ہے جو اس سے زیادہ سمجھدار ہوتا ہے اور بعض حاملِ فقہ سمجھدار نہیں ہوتے۔"

اس روایت میں اس شخص کے لیے خوش وخرم رہنے کی دعا فرمائی گئی ہے جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سن کر اپنے پاس اچھی طرح محفوظ کرے اور پھر آگے لوگوں کو پہنچائے۔ یہ بھی بڑی جامع دعا ہے، سرسبز وشاداب رہنے کا صرف یہی مطلب نہیں ہے کہ اس کا رنگ وروغن اچھا دکھائی دے، بلکہ اس کے اندر زندگی کے وہ تمام اہم نشیب وفراز داخل ہوجاتے ہیں جو انسان کے سرسبز وشاداب رہنے میں مؤثر ثابت ہوسکتے ہیں، اس لیے اس کے ضمن میں تمام اہم معاملات داخل ہوجاتے ہیں۔

یہاں حدیث شریف میں حدیث سن کر آگے پہنچانے کا ذکر ہے، لیکن ملا علی قاریؒ

وغیرہ شارحین نے ذکر فرمایا ہے کہ یہ دعا صرف سننے سے متعلق نہیں ہے، بلکہ کسی بھی ذریعے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر مطلع ہونا مقصود ہے، البتہ عام طور پر چونکہ نئی باتیں سماعت ہی کے ذریعے معلوم ہوتی ہیں، اس لیے اس کا ذکر کیا گیا ہے، لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال واقوال سب کے بارے میں یہ فضیلت عام ہے اور سبھی کو محفوظ کر کے آگے پہنچانا اس دعا کا مصداق ہے۔ نیز کوئی شخص کسی محدث سے حدیث سن کر آگے پہنچائے یا یوں ہی کسی کتاب وغیرہ میں پڑھ کر آگے پہنچائے، دونوں ہی اس فضیلت کے تحت داخل ہیں۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''منّا'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے جو کہ جمع کا صیغہ ہے، لہٰذا اس میں صحابہ کرامؓ کے اعمال واقوال بھی داخل ہیں اور جو شخص حضرات صحابہ کرامؓ کی باتیں یا ان کے اعمال محفوظ کر کے آگے نسل کو اس سے متعارف کرواتے ہیں، وہ بھی اس فضیلت کے تحت داخل ہو جاتے ہیں۔

تیسرا عمل: میاں بیوی کا نماز کے لیے ایک دوسرے کو جگانا

''عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: رَحِمَ اللهُ رَجُلًا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلّٰى، وَاَيْقَظَ امْرَاَتَهٗ، فَإِنْ اَبَتْ، نَضَحَ فِيْ وَجْهِهَا الْمَاءَ، رَحِمَ اللهُ امْرَاَةً قَامَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّتْ، وَاَيْقَظَتْ زَوْجَهَا، فَإِنْ اَبٰى، نَضَحَتْ فِيْ وَجْهِهِ الْمَاءَ۔'' (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب قيام الليل، ج:٢، ص:٣٣)

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو رات کو اُٹھ کر نماز پڑھتا ہے اور اپنی بیوی کو بھی

جگائے، اگر وہ نہیں اٹھتی تو اس کے چہرے پر پانی ڈالتا ہے، اس عورت پر بھی اللہ تعالیٰ رحم کرے جو رات کو اٹھ کر نماز پڑھتی ہے اور اپنے شوہر کو بھی جگاتی ہے، اگر وہ نہیں اٹھتا تو وہ اس کے چہرے پر پانی ڈالتی ہے۔‘‘

اس روایت میں اس شخص کے لیے رحمت کی دعا فرمائی گئی ہے جو خود بھی رات کو اٹھ کر نماز پڑھے اور بیوی کو بھی اہتمام کے ساتھ اس کے لیے جگائے، اسی طرح جو بیوی خود بھی اس کے لیے اٹھے اور میاں کو بھی اہتمام کے ساتھ اس کے لیے جگائے۔ رحمت کی دعا کا مفہوم پہلے لکھا جا چکا ہے۔

چوتھا عمل: نمازِ عصر سے پہلے چار رکعت نفل پڑھنا

"عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: رَحِمَ اللّٰهُ امْرَأً صَلّٰى قَبْلَ الْعَصْرِ اَرْبَعًا۔"

(سنن أبي داود، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ قبل العصر، ج:۲، ص:۲۳)

ترجمہ: ’’ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو عصر کی نماز سے پہلے چار رکعات پڑھ لے۔‘‘

اس روایت میں اس شخص کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت حاصل ہونے کی دعا فرمائی گئی ہے جو نمازِ عصر سے پہلے چار رکعت نماز پڑھ لے۔ یہ نماز گو فرض یا سنتِ مؤکدہ نہیں ہے، بلکہ اس کی حیثیت سنتِ غیر مؤکدہ اور نفل کی ہے، تاہم اس پر اس قدر بڑی دعا دی گئی ہے، مختصر عمل پر عظیم اجر وثواب کی یہ بہترین مثال ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کے وہ خاص بندے جن کو لوگ اولیاء اللہ کہتے ہیں، وہ ان چار رکعت کی پوری پابندی کرتے ہیں۔

پانچواں عمل: حقوق العباد کی تلافی کروانا

"عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: رَحِمَ اللهُ عَبْدًا كَانَتْ لِأَخِيْهِ عِنْدَهُ مَظْلِمَةٌ فِيْ عِرْضٍ أَوْ مَالٍ، فَجَاءَهُ فَاسْتَحَلَّهُ قَبْلَ أَنْ يُّؤْخَذَ وَلَيْسَ ثَمَّ دِيْنَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ، فَإِنْ كَانَتْ لَهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ حَسَنَاتِهِ، وَإِنْ لَّمْ تَكُنْ لَّهُ حَسَنَاتٌ حَمَلُوْهُ عَلَيْهِ مِنْ سَيِّئَاتِهِمْ۔"

(سنن الترمذی، ت: بشار، أبواب صفة القیامة والرقائق والورع عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب ماجاء فی شان الحساب والقصاص، ج: ۴، ص: ۱۹۱)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحم فرمائے جس نے اپنے بھائی کی آبرو یا مال کو نقصان پہنچایا اور موت سے پہلے اس نے اس سے معافی مانگی، اس لیے کہ وہاں درہم و دینار نہیں ہوگا، پس اگر اس کے پاس نیکیاں ہوں تو وہ اس سے لے لی جائیں گی، اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں تو ان کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے۔''

اس روایت میں اس شخص کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے جو دنیا میں ہی ان حقوق کی تلافی کا اہتمام کرتا ہے جو اس پر لوگوں کے عائد ہوتے ہیں، ان کو حقوق العباد کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ حقوق بنیادی طور پر تین قسم کی ہیں:

الف: وہ حقوق جو جان سے متعلق ہیں، مثال کے طور پر کسی کو قتل کر دیا، کوئی عضو تلف کر دیا، یا یوں ہی کسی کو زدوکوب کیا، ان کو جانی حقوق کہا جاتا ہے۔

ب: وہ حقوق جو دوسروں کی املاک سے متعلق ہیں، مثال کے طور پر کسی کی کوئی چیز

ضائع کردی، یا کسی کا کوئی مالی حق ذمہ پر باقی ہے، ان کو مالی حقوق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ج: وہ حقوق جو دوسرے کے عزت ومقام سے مربوط ہیں، مثال کے طور پر کسی کو لوگوں کے سامنے بے عزت وذلیل کیا، برا بھلا کہا، اس کی غیبت کی۔ ان کو عرضی حقوق یا حقوقِ عزت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

اگر کسی شخص کے ذمہ دوسرے افراد کے ان تین قسم کے حقوق میں سے کوئی حق برقرار ہو، تو اس کی تلافی کا طریقہ یہ ہے کہ جس کا حق ہے، اس سے معافی تلافی کروائے، یا اگر کوئی حق ایسا ہے جس کی ادائیگی ہوسکتی ہے تو اس کا دوسرا طریقہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کی ٹھیک ٹھیک ادائیگی کردے۔ ''جانی حقوق'' کی نوبت عام طور پر کم پیش آجاتی ہے، شاید اس لیے درج بالا روایت میں اس کا ذکر نہیں کیا اور بقیہ دو اقسام کے ذکر کرنے پر اکتفا کیا گیا۔

چھٹا عمل: دینی تربیت کے لیے گھر میں اہلِ خانہ کی تربیت کا گھر میں انتظام کرنا

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی ''جامع کبیر'' میں ہے:

''رَحِمَ اللهُ عَبْدًا عَلَّقَ فِيْ بَيْتِهٖ سَوْطًا يُؤَدِّبُ بِهٖ أَهْلَهٗ. الديلمي عن جابر رضی اللہ عنہ۔''

(جمع الجوامع المعروف ب الجامع الکبیر، القسم الأول: الأقوال، حرف "الراء"، ج:۵، ص:۱۴۶)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جس نے اپنے گھر میں اہل وعیال کی تادیب کے لیے کوڑا رکھا ہو۔''

اس روایت میں اس شخص کے لیے رحمت کی دعا فرمائی گئی ہے جو گھر میں اس لیے کوڑا رکھتا ہے، تاکہ اس کے ذریعے اپنے اہل وعیال کی تادیب کرے۔ یہاں ''تادیب'' کا لفظ

استعمال فرمایا گیا ہے جس کا مفہوم ادب سکھانا ہے، اور تادیب کی ضرورت کسی ناجائز یا نامناسب اقدام کے وقت پیش آتی ہے، اب کس چیز کو ناجائز یا نامناسب سمجھا جائے اور کس کو نہیں؟ اس کے حدود کیا ہوں گے؟ ان باتوں کی درست رہنمائی کرنا دین وشریعت کا منصب ہے، جس میں اسی کی طرف رجوع کرنا اور اسی سے رہنمائی حاصل کرنا ضروری ہے۔ شرعی تعلیمات کا سہارا لیے بغیر کسی چیز کو ناجائز قرار دینا کسی طرح درست نہیں ہوسکتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کو چاہیے کہ:

الف: دین وشریعت کی کم از کم بنیادی باتیں اور موٹے موٹے مسائل اس کو معلوم بھی ہوں۔

ب: اور دل میں اس کی اس قدر اہمیت راسخ ہو کہ دیگر تمام تقاضوں پر اس کو مقدم رکھے۔

ج: اپنے اہل وعیال کی دینی تربیت کرنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھے، بلکہ اس راہ میں ان کو مارنے کی ضرورت پڑے تو بھی اس سے نہ رُکے۔

د: دینی تربیت اور شریعت کے مطابق گھر کا ماحول بنانے کے لیے عام طور پر کوڑے کی ضرورت پڑتی ہو، یہ ضروری نہیں، بلکہ بسا اوقات تو جائز بھی نہیں ہے کہ بات بات پر اہل وعیال کو مارتا رہے، بلکہ ضرورت کے وقت ہی اس کا استعمال کر لینا چاہیے اور اس وقت بھی ضرورت کی مقدار پر اکتفا کر لینا چاہیے، لیکن بہرحال گھر میں رکھنا اور اپنے ماتحت کو باور کرانا کہ اگر کوتاہی ہو جائے تو اس کے استعمال کرنے کی بھی نوبت آسکتی ہے، یہ ضروری ہے۔ اور تجربہ ہے کہ سنجیدگی کے ساتھ اس طرح یقین دہانی دیئے بغیر دینی تربیت کا خواب

پوری طرح شرمندۂ تعبیر نہیں ہوتا، اس لیے متعدد شارحین نے اس بات کی صراحت فرمائی ہے کہ بسا اوقات مارنا معاف کرنے سے زیادہ بہتر اور نتیجہ خیز ثابت ہوتا ہے۔

ساتواں عمل: حج وعمرہ کے موقع پر حلق یا قصر کرنا

''صحیح بخاری'' میں ہے:

''عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِيْنَ، قَالُوْا: وَالْمُقَصِّرِيْنَ يَا رَسُوْلَ اللهِ! قَالَ: اللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِيْنَ، قَالُوْا: وَالْمُقَصِّرِيْنَ يَا رَسُوْلَ اللهِ! قَالَ: وَالْمُقَصِّرِيْنَ، وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِيْ نَافِعٌ: رَحِمَ اللهُ الْمُحَلِّقِيْنَ، مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ، قَالَ: وَقَالَ عُبَيْدُ اللهِ: حَدَّثَنِيْ نَافِعٌ، وَقَالَ فِيْ الرَّابِعَةِ: وَالْمُقَصِّرِيْنَ۔''

(صحیح البخاری، کِتَابُ الحَجِّ، باب الحلق والتقصیر عند الإحلال، ج:۲، ص:۱۷۴۔ المیسر فی شرح مصابیح السنۃ للتوربشتی، کتاب المناسک، باب الحلق، ج:۲، ص:۶۲۱۔ بذل المجهود فی حل سنن أبی داود، أول کتاب المناسک، باب الحلق والتقصیر، ج:۷، ص:۴۵۴)

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے اللہ! سر منڈوانے والوں پر رحم فرما۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ: اے اللہ کے رسول! اور قصر کرنے والے؟ فرمایا کہ: اے اللہ! سر منڈوانے والوں پر رحم فرما۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دوبارہ کہا: اے اللہ کے رسول! اور قصر کرنے والے؟ فرمایا کہ: اور قصر کرنے والوں پر بھی رحم فرما۔''

اس روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقع پر حلق یا قصر کرنے والوں کو رحمت کی دعا دی، مجموعی طور پر تو دونوں کے حق میں یہ دعا فرمائی ہے، لیکن حلق کرنے والوں کو اس دعا میں مقدم فرمایا اور ایک یا دو بار اُن کے لیے خصوصیت کے ساتھ دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائیں۔ علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ دعا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کے موقع پر مانگی تھی اور حجۃ الوداع کے موقع پر بھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حلق کرنا قصر کرنے سے زیادہ بہتر اور اس سے بڑھ کر رحمتِ خداوندی کا موجب ہے، اس لیے جہاں تک ہو سکے، اسی کو مقدم رکھنا افضل ہے۔

حلق کو مقدم کرنے کی ایک وجہ شاید یہ بھی ہو کہ پہلے زمانے سے اب تک لوگوں کی عادت رہی ہے کہ وہ بالوں کو زینت وزیبائش کا ذریعہ خیال کرتے ہیں، مختلف طریقے سے رکھنے اور کاٹنے کو ایک قابلِ تقلید فیشن تصور کیا جاتا ہے۔ سرے سے بال مونڈنے کی صورت میں حبِ جاہ کی ایک بڑی شاخ کٹ جاتی ہے جو ظاہر ہے کہ بہترین اعمال میں سے ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض مشائخ نے توبہ کرتے وقت بھی بال کاٹنے کو بہتر قرار دیا۔

آٹھواں عمل: فوج کی پہرہ داری

''سنن ابن ماجہ'' میں ہے:

"عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: رَحِمَ اللّٰهُ حَارِسَ الْحَرَسِ."

(سنن ابن ماجہ، کتاب الجہاد، باب فضل الحرس والتکبیر فی سبیل اللہ، ج:۲،ص:۹۲۵)

ترجمہ: ”حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ حفاظتی فوج کی چوکیداری کرنے والے پر رحم کرے۔“

اس روایت میں اس شخص کے لیے رحمت کی دعا فرمائی گئی ہے جو اسلامی سرحدات کی حفاظت کرنے والی فوج کی چوکیداری کرے۔ ملک کے باشندے اگر امن وامان کے ساتھ زندگی گزارتے اور مختلف قسم کی عبادات بجالاتے ہیں تو وہ درحقیقت ان لوگوں کے بل بوتے پر ہے جو ملکی سرحدات پر کھڑے اس کی حفاظت کرتے ہیں اور دیگر اقوام وممالک کی یورشوں سے اس کو بچانے کی پوری کوشش کرتے ہیں، اگر اسی نیت کے ساتھ وہ لوگ یہ کام کریں تو ظاہر ہے کہ یہ بہت ہی بڑے اجر وثواب کا کام ہے اور ملک کے تمام باشندگان کی عبادات میں ان کا کسی حد تک حصہ ہو جاتا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ محافظین بھی آخر انسان ہی ہیں، ان کو بھی آرام وراحت وغیرہ کی ضرورت لاحق ہوسکتی ہے، ایسے موقع پر جو لوگ ان محافظین کی حفاظت کرتے ہیں اور حفاظت کے لیے ان کے چوکیدار بن کر کھڑے ہوجاتے ہیں، ان کے لیے اس روایت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی دعا فرمائی گئی ہے۔

نواں عمل: احیاءِ سنت اور لوگوں کو سنت کی تعلیم دینا

”کنز العمال“ میں ہے:

”رَحْمَةُ اللهِ عَلٰى خُلَفَائِيْ، قِيْلَ: وَمَنْ خُلَفَاؤُكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: الَّذِيْنَ يُحْيُوْنَ سُنَّتِيْ وَيُعَلِّمُوْنَهَا النَّاسَ۔“

(کنز العمال، کتاب العلم من قسم الأقوال، الباب الثالث فی آداب العلم، الفصل الأول: فی روایۃ الحدیث وآداب الکتابۃ، رقم الحدیث: ۲۹۲۰۹، ج: ۱۰، ص: ۲۲۹)

ترجمہ: ’’اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو میرے خلفاء پر۔ کہا گیا کہ: اے اللہ کے رسول! آپ کے خلفاء کون ہیں؟ فرمایا کہ: وہ جو میری سنتوں کو زندہ کرتے ہیں اور اسے لوگوں کو سکھائیں۔‘‘

جو لوگ اسلامی تعلیمات و احکام کو زندہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور دیگر لوگوں تک یہ چیزیں پہنچاتے ہیں، اس روایت سے ان لوگوں کے لیے دو بشارتیں ملتی ہیں:

الف: پہلی بشارت تو یہی ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین اور خلفاء ہیں۔ یہ بہت بڑی فضیلت اور عظیم خوشخبری ہے، جس طرح ہر شخص کو اپنے نائب کے ساتھ خاص قسم کا تعلق اور خصوصی توجہ والتفات ہوتی ہے، یوں ہی ان افراد کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی ربط و تعلق ہوتا ہے، جبکہ عقل مند شخص پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ بہت بڑی عنایت ہے جو دینی و اُخروی ترقیوں کا زینہ ہے۔

ب: دوسری بڑی بشارت خود یہی دعا ہے جو اس روایت میں ان لوگوں کے لیے فرمائی گئی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے خوش نصیب افراد کے لیے اللہ تعالیٰ سے رحمت کی دعا فرمائی ہے۔

’’احیاءِ سنت‘‘ کا مفہوم و مصداق

یہاں حدیث مبارک میں ’’سنت‘‘ کے احیاء کا ذکر فرمایا گیا ہے، عام طور پر اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ جو شخص ایک سنت کو بھی زندہ کرے گا، اس کو یہ فضیلت حاصل ہو جائے گی، اسی نوع کی ایک دوسری روایت میں ایک ’’سنت‘‘ کے لازم پکڑنے کو سو شہیدوں کے برابر اجر و ثواب کا باعث قرار دیا گیا ہے، وہاں بھی عام طور پر یہی خیال کیا جاتا ہے کہ شاید کسی

ایک سنت کی ادائیگی سے بھی یہ ثواب مل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے داد و دہش کا تو کوئی حساب نہیں ہے، تاہم فضیلت اور مجازات کا باب تعبّدی ہے، جس میں عقل وقیاس سے کام لینا بالکل بے جا ہے، یہاں تو وحی کی طرف مراجعت کرنے سے کوئی بات کی جاسکتی ہے، اس لیے اس باب میں خاصی احتیاط برتنا ضروری ہے۔

اس تناظر میں یہاں سنت میں اس قدر وسعت پیدا کرنا کہ ہر چھوٹی بڑی سنت اس میں شامل ہو جائے اور ہر ہر سنت کے ساتھ مستقل طور پر یہ فضیلت کا تعلق پیدا کیا جائے، درست معلوم نہیں ہوتا، بلکہ اس سے پورا دین مراد لینا ہی مناسب ہے۔ درج بالا روایت میں تو اس کا ایک بے غبار طریقہ یہ بھی ہے کہ یہاں ''سنت'' زندہ کرنے والوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا جانشین اور خلفاء قرار دے رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے ہی دین کی تعلیمات کو اُجاگر فرمایا تھا، لہٰذا اس روایت کا اصل مصداق وہی خوش نصیب اور سعادت مند افراد معلوم ہوتے ہیں جو پورے دین اور اس کی تعلیمات واحکام کو اُجاگر کرنے میں اپنی زندگی گزاریں۔

یہ چند ایسے اعمال ہیں جن کے کرنے والوں کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ہے۔ ایک مسلمان کی یہی کوشش ہونی چاہیے کہ اپنی استطاعت کے مطابق ان سب دعاؤں کا مصداق بننے کی کوشش کرے، اس میں بڑی ہی برکت وخیر مضمر ہے۔ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب دعاؤں کا استیعاب مقصود نہیں ہے، بلکہ کچھ تلاش اور ورق گردانی سے جو دعائیں معلوم ہوئیں اور سند کے لحاظ سے وہ روایات قابلِ استدلال ہوئیں، ان کو ذکر کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب سمیت پوری اُمتِ مرحومہ کو عمل واستقامت کی توفیقِ سعید

نصیب فرمائے۔

دسواں عمل: اُمتِ مرحومہ کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا

صحیح مسلم میں حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

''سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُوْلُ فِيْ بَيْتِيْ هٰذَا: اللّٰهُمَّ، مَنْ وَلِيَ مِنْ اَمْرِ اُمَّتِيْ شَيْئًا فَشَقَّ عَلَيْهِمْ، فَاشْقُقْ عَلَيْهِ، وَمَنْ وَلِيَ مِنْ اَمْرِ اُمَّتِيْ شَيْئًا فَرَفَقَ بِهِمْ، فَارْفُقْ بِهٖ۔''

(صحیح مسلم، کتاب ال إمارۃ، باب فضیلۃ ال إمام العادل، وعقوبۃ الجائر، والحث علی الرفق بالرعیۃ، والنہی عن إدخال المشقۃ علیہم، ج: ۳،ص: ۱۴۵۸)

ترجمہ: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے اس گھر میں ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: اے اللہ! جو میری اُمت کے کسی کام کا والی بنا اور اس نے ان پر سختی کی تو آپ بھی ان پر سختی کریں، اور جو میری اُمت کے کسی کام کا والی بنا اور اس نے ان کے ساتھ نرمی کی، تو آپ بھی اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ فرمائیں۔''

اس روایت میں اس شخص کے لیے بددعا کی گئی ہے جو مسلمانوں کا امیر یا سربراہ بنے، خواہ وہ کسی بھی معاملہ میں سربراہ ہو اور پھر ان کے ساتھ سختی اور درشت روئی کا معاملہ کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ کرے۔ اور جو شخص اختیار ملنے کے بعد مسلمانوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ رکھے، اس کے لیے یہ دعا فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس

کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ فرمائے۔

یہ بددعا اور دعا صرف بادشاہ اور وزیر وغیرہ ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ ہر اس شخص کے ساتھ اس کا تعلق ہے جس کو کسی بھی معاملہ میں مسلمانوں کے اوپر کچھ اختیار حاصل ہو جائے، چاہے تمام معاملات میں اختیار وولایت حاصل ہو یا جزوی باتوں میں۔ نیز یہاں سختی اور نرمی کا ذکر فرمایا گیا ہے، اس سے سختی ونرمی کا مفہوم وہ نہیں ہے جو ہم عام طور پر ان الفاظ سے سمجھتے ہیں کہ کسی کو کچھ نہ دیا جائے تو اس کو سختی اور بسا اوقات ظلم سے تعبیر کیا جاتا ہے، خواہ وہ اس کا مستحق ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح کسی کو کچھ دیا جائے تو اس کو انصاف اور نرمی کہا جاتا ہے، خواہ لینے والا اس چیز کا استحقاق رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو، بلکہ اس کو شریعت کے ترازو سے تولنا ضروری ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص کسی رعایت یا حق کا مستحق نہ ہو تو اس کو نہ دینا مذموم نہیں ہے، البتہ نہ دینے کی صورت میں بھی نرم خوئی کا لحاظ رکھ لینا چاہیے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی رعایت کا استحقاق رکھتا ہو تو نرم خوئی کے ساتھ دے دینا چاہیے۔ اس روایت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس غیر معمولی محبت اور خاص تعلق کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کے ساتھ تھا کہ دنیا سے رحلت فرمانے کے بعد بھی اس بات کا خوب اہتمام فرمایا کہ امت بلاوجہ کسی ظلم یا سختی کا شکار نہ ہو۔

بنت صفیہ

ہدایت و رحمت کا سرچشمہ

دعوت کا قرآنی اسلوب

دعوتِ دین دراصل انبیاء کرام علیہم السلام کا وہ مقدس مشن ہے جس پر امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مامور کیا گیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا بنیادی مقصد یہی تھا کہ انسانوں کو رب کی پہچان کرائی جائے، بندوں کو بندگی کی طرف بلایا جائے، اور باطل کے اندھیروں میں بھٹکنے والی انسانیت کو حق کے نور تک پہنچایا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس اُمتِ محمدیہ کو امتِ دعوت بنا کر بھیجا اور اس کا خاص وصف یہ قرار دیا کہ وہ انسانیت کو صراطِ مستقیم کی طرف بلائے، چنانچہ ارشاد ہوا: "كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ"، "تم بہترین اُمت ہو جو لوگوں کے

لیے برپا کی گئی ہو، تم بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہو۔'' نیز فرمایا: ''وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا'' اور اسی طرح ہم نے تم کو درمیانی و معیاری اُمت بنایا، تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر گواہ ہوں۔ جب اس کو یہ منصب دیا گیا ہے تو اس کا فرض بنتا ہے کہ اس منصب کا حق ادا کرے۔ قرآنِ کریم نے دعوت کو صرف ایک ذمہ داری نہیں، بلکہ ایک فریضۂ نبوت قرار دیا ہے:

''يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ'' (المائدہ:٦٧)

یعنی: ''اے رسول! پہنچا دیجیے وہ جو آپ پر آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے۔''

دعوت کا یہ فریضہ قیامت تک جاری ہے، مگر افسوس کہ وقت کے تغیر کے ساتھ ساتھ اس کی روح کمزور اور اُسلوب میں افراط و تفریط دَر آئی۔ آج کے دور میں جہاں ذرائع ابلاغ نے پیغام رسانی کو آسان کیا ہے، وہیں اس نے اخلاص و حکمت کی روح کو مجروح بھی کیا ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منصبِ رسالت کا حق جس اخلاص، صبر، استقامت اور جاں فشانی سے ۲۳ برس کے طویل عرصے میں ادا فرمایا، اس کی مثال پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ ابتدا سے لے کر وصال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا غم، سب سے بڑی فکر اور سب سے اہم مقصد یہی تھا کہ اللہ کا پیغام بندوں تک پوری وضاحت اور محبت کے ساتھ پہنچ جائے۔ شب و روز کی محنت، قربانیوں، اذیتوں اور تکلیفوں

کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ کا مرکز یہی فریضۂ تبلیغ رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو نہ صرف دین کے بڑے بڑے اصول سکھائے، بلکہ زندگی کے معمولی سے معمولی آداب بھی تعلیم فرمائے۔ عبادت ومعاملات سے لے کر حکومت وسیاست کے اُمور تک، اور طہارت و نظافت کے طریقوں سے لے کر انسانی تعلقات کے آداب تک کوئی گوشہ ایسا نہیں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو ہدایت نہ دی ہو۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں تمہارے لیے باپ کی مانند ہوں، تمہیں ہر چیز سکھاتا ہوں۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب تم میں سے کوئی بیت الخلاء میں جائے تو نہ قبلہ رخ ہو، نہ پیٹھ کرے، اور نہ دائیں ہاتھ سے استنجا کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین پتھروں یا ڈھیلوں سے استنجا کرنے کا حکم دیا اور گوبر و ہڈی کے استعمال سے منع فرمایا۔

(سنن نسائی، کتاب الطہارۃ)

اسی طرح حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مشرک نے ان سے مذاق کے انداز میں کہا: ''تمہارا نبی تو تمہیں ہر چیز سکھاتا ہے، حتیٰ کہ قضائے حاجت کے آداب بھی؟!'' حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے بڑے فخر سے جواب دیا: ''ہاں! بالکل! ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ بھی سکھایا ہے کہ قضائے حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ نہ کریں، دائیں ہاتھ سے استنجا نہ کریں، اور تین پتھروں سے کم پر اکتفا نہ کریں، اور وہ پتھر بھی نہ ہوں جن میں ہڈی یا گوبر ہو۔'' (سنن نسائی، کتاب الطہارۃ)

یہی وہ جامع اور کامل تعلیمات تھیں جن کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر طبقے کے انسانوں تک ہدایت پہنچائی، حاکم ہوں یا عوام، عالم ہوں یا عامی، ہر ایک کو اس کے فہم اور ظرف کے مطابق پیغامِ الٰہی دیا۔ پھر وصال سے تقریباً دو ڈھائی مہینے قبل حجۃ الوداع کے موقع پر جب عرفات کے میدان میں ایک لاکھ سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عظیم اجتماع موجود تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رسالت کی ذمہ داری پوری کرنے کی شہادت خود اُمت سے لی، آسمان کی طرف انگلی اُٹھا کر تین مرتبہ فرمایا: ''اللّٰھم اشھد'' اے اللہ! تو گواہ رہنا کہ میں نے تیرا پیغام تیرے بندوں تک پہنچا دیا۔'' (صحیح مسلم، کتاب الحج)

قرآنِ مجید کا دعوتی اُسلوب

قرآنِ حکیم نے دعوت کے لیے جو بنیاد مقرر کی، وہ ہے:

''اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَالۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ وَجَادِلۡهُمۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ'' (النحل: ۱۲۵)

ترجمہ: '' آپ اپنے رب کی راہ کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعے سے بلائیے اور (اگر بحث آن پڑے تو) ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجیے (کہ اس میں شدت وخشونت نہ ہو)۔''

یہ آیتِ مبارکہ دراصل دعوت کا جامع منشور ہے جس میں تین اصول بیان کیے گئے:

1۔ حکمت کے ساتھ دعوت

''حکمت'' کا مطلب صرف علم نہیں، بلکہ موقع، مزاج، اور عقلِ سلیم کے مطابق بات

پہنچانا ہے۔حکمت یہ ہے کہ داعی مخاطَب کی سطح،نفسیات اور حالات کو سمجھ کر بات کرے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اس حکیمانہ دعوت کی روشن مثال ہے،کبھی نرمی،کبھی خاموشی،کبھی مسکراہٹ،اور کبھی سختی ہر موقع پر حکمت غالب نظر آتی ہے۔

2۔موعظۂ حسنہ (خیر خواہانہ نصیحت)

دعوت کا دوسرا رکن''موعظۂ حسنہ''ہے،یعنی نرمی،محبت،اور خیر خواہی کے جذبے سے بات کرنا۔اللہ تعالیٰ نے موسیٰ وہارون علیہما السلام کو بھی فرعون جیسے متکبر سے گفتگو کے لیے فرمایا:

''فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى'' (طٰہٰ:۴۴)

ترجمہ:''پھر اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا،شاید وہ نصیحت قبول کرلے یا ڈر جائے۔''

3۔خوبصورت مکالمہ

اگر دلیل ومناقشہ کی نوبت آئے تو وہ بھی شائستگی اور احترام کے ساتھ ہو۔مقصد جیتنا نہیں،بلکہ حق کو واضح کرنا ہو۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اُسلوب مخالفین کے دلوں پر بھی اثر چھوڑ جاتا تھا۔

دعوت میں بصیرت کی ضرورت

دعوت کے لیے علم کے ساتھ بصیرت ناگزیر ہے۔قرآن نے فرمایا:

''قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ'' (یوسف:۱۰۸)

ترجمہ:''آپ فرمادیجیے کہ یہ میرا طریق ہے،میں (لوگوں کو توحید) خدا کی طرف

اس طور پر بلاتا ہوں کہ میں دلیل پر قائم ہوں۔“

بصیرت کا مطلب ہے: حالات، ماحول، اور فتن کی گہری سمجھ بوجھ۔ آج کے داعی کو صرف شرعی دلائل پر عبور کافی نہیں، بلکہ اس کے ساتھ عصرِ حاضر کی ذہنیت، نوجوان نسل کی نفسیات، اور میڈیا کے اثرات سے آگاہی بھی ضروری ہے۔ داعی اگر بصیرت سے محروم ہو تو وہ یا تو شدت میں مبتلا ہو جاتا ہے یا بے جا نرمی میں بہہ جاتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ درمیانی راہ اختیار فرمائی، نہ دل آزاری، نہ حق پوشی، یہی بصیرت کا کمال ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدائش ہی سے نہایت نرم مزاج، شفیق اور ہمدرد بنایا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی تکالیف پر بے حد رِقت محسوس کرتے، صبر و برداشت کی اعلیٰ مثال تھے، اور دشمنوں کے ساتھ بھی حلم و اخلاق سے پیش آتے تھے۔ زندگی بھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے ساتھ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیا۔

قرآن کریم (سورۃ التوبۃ: ۱۲۸) میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ کریمانہ کی تعریف یوں کی گئی ہے:

”تمہارے پاس تمہی میں سے ایک رسول آیا ہے، تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اسے بہت شاق گزرتی ہے، وہ تمہاری بھلائی کا خواہاں ہے، اور مومنوں کے ساتھ نہایت مہربان اور شفیق ہے۔“

اگرچہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فطری طور پر اعلیٰ اخلاق، بے مثال صبر اور غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا تھا، مگر پھر بھی آپ کو حکم دیا گیا کہ دین کی دعوت حکمت، دانائی اور بصیرت کے ساتھ دیجیے، اور اگر کسی وقت گفتگو یا مناقشہ کی نوبت آئے تو حسنِ اخلاق کا

دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے فرمایا کہ آپ کا رب خوب جانتا ہے کہ کون ہدایت یافتہ ہے اور کون راہِ حق سے بھٹکا ہوا۔ حکمت کا تقاضا یہ بھی ہے کہ دعوت ونصیحت کے وقت موقع ومحل، مخاطب کی فکری سطح، اور سننے کی آمادگی کا لحاظ رکھا جائے۔ خصوصاً مسلمانوں کو وعظ ونصیحت کرتے ہوئے اس بات کا خیال رہنا چاہیے کہ بات دل میں اُترنے والی ہو، اور اس کے انداز میں سنجیدگی، خلوص اور خیر خواہی نمایاں ہو، کیونکہ موعظت وہ نصیحت ہے جو دلوں کو متاثر کرے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں وقفے وقفے سے نصیحت فرمایا کرتے، تاکہ ہم اُکتاہٹ محسوس نہ کریں۔ (صحیح البخاری، باب الموعظۃ ساعۃ بعد ساعۃ) ایک اور روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''تم کسی قوم سے ایسی بات نہ کرو جو اُن کی سمجھ سے بالاتر ہو، کیونکہ اس سے ان میں فتنہ پیدا ہو سکتا ہے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''لوگوں سے وہی بات کرو جو وہ سمجھ سکتے ہیں، کیا تم چاہتے ہو کہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلانے لگیں؟!'' (صحیح البخاری، کتاب العلم، باب من خص بالعلم قوماً دون قوم)

آج کے دورِ فتن میں دعوت کا یہی سب سے بڑا تقاضا ہے کہ داعی علم وحکمت کے ساتھ بصیرت وشعور سے کام لے، اپنے لہجے میں نرمی اور دل میں خیر خواہی رکھے۔ اگر امتِ مسلمہ نے دوبارہ اسی قرآنی اسلوبِ دعوت کو اختیار کر لیا تو وہ پھر سے انسانیت کے لیے ہدایت ورحمت کا سرچشمہ بن سکتی ہے۔

اُم افضل

جھوٹ معاشرے کی تباہی

سب جانتے ہیں کہ بے بنیاد باتوں کو لوگوں میں پھیلانے، جھوٹ بولنے اور افواہ کا بازار گرم کرنے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ ہاں! اتنی بات تو ضرور ہے کہ یہی جھوٹ، چاہے جان کر ہو، یا انجانے میں ہو، کتنے لوگوں کو ایک

آدمی سے بدظن کر دیتا ہے، لڑائی، جھگڑا اور خون خرابہ کا ذریعہ ہوتا ہے، کبھی تو بڑے بڑے فساد کا سبب بنتا ہے اور بسا اوقات پورے معاشرے کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتا ہے۔ جب جھوٹ بولنے والے کی حقیقت لوگوں کے سامنے آتی ہے، تو وہ بھی لوگوں کی نظر سے گر جاتا ہے، اپنا اعتماد کھو بیٹھتا ہے اور پھر لوگوں کے درمیان اس کی کسی بات کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔

جھوٹ کیا ہے؟

لفظ جھوٹ کو عربی زبان میں ''کذب'' کہتے ہیں۔ خلافِ واقعہ کسی بات کی خبر دینا، چاہے وہ خبر دینا جان بوجھ کر ہو، یا غلطی سے ہو، جھوٹ کہلاتا ہے۔ (المصباح المنیر) اگر خبر دینے والے کو اس بات کا علم ہو کہ یہ جھوٹ ہے، تو وہ گنہگار ہوگا، پھر وہ جھوٹ اگر کسی کے لیے ضرر کا سبب بنے، تو یہ گناہِ کبیرہ میں شمار کیا جائے گا، ورنہ تو گناہِ صغیرہ ہوگا۔

قرآن کریم میں جھوٹوں کا انجام

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انسان کوئی بات بلا تحقیق کے اپنی زبان سے نہ نکالے۔ اگر وہ ایسا کرتا ہے، تو پھر اس کی جواب دہی کے لیے تیار رہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

''وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا۔'' (سورۃ الاسراء:۳۶)

ترجمہ: ''اور جس بات کی تحقیق نہ ہو اس پر عمل در آمد مت کیا کر، کان اور آنکھ اور دل ہر شخص سے اس سب کی پوچھ ہوگی۔''

آیتِ مذکورہ کی تفسیر میں علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

’’یعنی بے تحقیق بات زبان سے مت نکال، نہ اس کی اندھا دھند پیروی کر، آدمی کو چاہیے کہ کان، آنکھ اور دل و دماغ سے کام لے کر اور بقدرِ کفایت تحقیق کر کے کوئی بات منہ سے نکالے یا عمل میں لائے، سنی سنائی باتوں پر بے سوچے سمجھے یوں ہی اَٹکل پچو کوئی قطعی حکم نہ لگائے یا عمل درآمد شروع نہ کر دے۔ اس میں جھوٹی شہادت دینا، غلط تہمتیں لگانا، بے تحقیق چیزیں سن کر کسی کے درپے آزار ہونا، یا بغض و عداوت قائم کر لینا، باپ دادا کی تقلید یا رسم و رواج کی پابندی میں خلافِ شرع اور ناحق باتوں کی حمایت کرنا، اَن دیکھی، یا اَن سنی چیزوں کو دیکھی یا سنی ہوئی بتلانا، غیر معلوم اشیاء کی نسبت دعویٰ کرنا کہ میں جانتا ہوں، یہ سب صورتیں اس آیت کے تحت میں داخل ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ قیامت کے دن تمام قویٰ کی نسبت سوال ہوگا کہ ان کو کہاں کہاں استعمال کیا تھا؟ بے موقع تو خرچ نہیں کیا؟‘‘ (تفسیر عثمانی)

انسان جب بھی کچھ بولتا ہے تو اللہ کے فرشتے اسے نوٹ کرتے رہتے ہیں، پھر اسے اس ریکارڈ کے مطابق اللہ کے سامنے قیامت کے دن جزا و سزا دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

’’مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ‘‘ (سورۂ ق:۱۸)

ترجمہ: ’’وہ کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالنے پاتا، مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا تیار ہے۔‘‘

یعنی انسان کوئی کلمہ جسے اپنی زبان سے نکالتا ہے، اُسے یہ نگراں فرشتے محفوظ کر لیتے ہیں۔ یہ فرشتے اس کا ایک ایک لفظ لکھتے ہیں، خواہ اس میں کوئی گناہ یا ثواب اور خیر یا شر ہو یا

نہ ہو۔

امام احمدؒ نے بلال بن حارث مزنیؓ سے روایت کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''انسان بعض اوقات کوئی کلمۂ خیر بولتا ہے، جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے، مگر یہ اس کو معمولی بات سمجھ کر بولتا ہے، اس کو پتہ بھی نہیں ہوتا کہ اس کا ثواب کہاں تک پہنچا کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے اپنی رضاء دائمی قیامت تک کی لکھ دیتے ہیں۔ اسی طرح انسان کوئی کلمہ اللہ کی ناراضی کا (معمولی سمجھ کر) زبان سے نکال دیتا ہے، اس کو گمان نہیں ہوتا کہ اس کا گناہ و وبال کہاں تک پہنچے گا؟ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس شخص سے اپنی دائمی ناراضی قیامت تک کے لیے لکھ دیتے ہیں۔'' (ابن کثیر، تلخیص، از: معارف القرآن، ج:۸، ص:۱۴۳)

جھوٹ بولنا گناہِ کبیرہ ہے اور یہ ایسا گناہِ کبیرہ ہے کہ قرآن کریم میں، جھوٹ بولنے والوں پر اللہ کی لعنت کی گئی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

''فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ'' (سورۂ آلِ عمران:۶۱)

ترجمہ: ''لعنت کریں اللہ کی اُن پر جو کہ جھوٹے ہیں۔''

حدیث شریف میں جھوٹ کی مذمت

جیسا کہ مندرجہ بالا قرآنی آیات میں جھوٹ اور بلاتحقیق کسی بات کے پھیلانے کی قباحت و شناعت بیان کی گئی ہے، اسی طرح احادیثِ مبارکہ میں بھی اس بدترین گناہ کی قباحت وشناعت کھلے عام بیان کی گئی ہے۔ ہم ذیل میں چند احادیث مختصر وضاحت کے ساتھ پیش کرتے ہیں:

ایک حدیث میں یہ ہے کہ جھوٹ اور ایمان جمع نہیں ہو سکتے، لہٰذا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ کو ایمان کا منافی عمل قرار دیا ہے۔ حدیث ملاحظہ فرمائیے:

"عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ -رَضِيَ اللهُ عَنْهُ- أَنَّهُ قِيلَ لِرَسُولِ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: أَيَكُونُ الْمُؤْمِنُ جَبَانًا؟ فَقَالَ: "نَعَمْ." فَقِيلَ لَهُ: أَيَكُونُ الْمُؤْمِنُ بَخِيلًا؟ فَقَالَ: "نَعَمْ". فَقِيلَ لَهُ: أَيَكُونُ الْمُؤْمِنُ كَذَّابًا؟ فَقَالَ: "لَا". (مؤطا امام مالك، حديث: ۳۶۳۰/۸۲۴)

ترجمہ: "حضرت صفوان بن سلیم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: کیا مومن بزدل ہوسکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: "ہاں۔" پھر سوال کیا گیا: کیا مسلمان بخیل ہوسکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: "ہاں۔" پھر عرض کیا گیا: کیا مسلمان جھوٹا ہوسکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: "نہیں (اہلِ ایمان جھوٹ نہیں بول سکتا)۔"

ایک حدیث شریف میں جن چار خصلتوں کو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے نفاق کی علامات قرار دیا ہے، ان میں ایک جھوٹ بولنا بھی ہے، لہٰذا جو شخص جھوٹ بولتا ہے، وہ خصلتِ نفاق سے متصف ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

"أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا، وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتَّى يَدَعَهَا: إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ، وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ." (صحیح بخاری، حدیث: ۳۴)

ترجمہ: ”جس میں چار خصلتیں ہوں گی، وہ خالص منافق ہے اور جس شخص میں ان خصلتوں میں کوئی ایک خصلت پائی جائے، تو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے، تا آں کہ وہ اسے چھوڑ دے: جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو دھوکہ دے اور جب لڑائی جھگڑا کرے تو گالم گلوچ کرے۔“

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب بندہ جھوٹ بولتا ہے، تو رحمت کے فرشتے اس سے ایک میل دور ہو جاتے ہیں:

”إِذَا كَذَبَ العَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَكُ مِيلًا مِنْ نَتْنِ مَا جَاءَ بِهِ۔“

(سنن ترمذی: ۱۹۷۲)

ترجمہ: ”جب آدمی جھوٹ بولتا ہے تو اس سے جو بدبو آتی ہے اس کی وجہ سے فرشتہ اس سے ایک میل دور ہو جاتا ہے۔“

ایک حدیث میں پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ کو فسق و فجور اور گناہ کی طرف لے جانے والی بات شمار کیا ہے۔ حدیث کے الفاظ درج ذیل ہیں:

”۔۔۔۔۔ إِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُوْرِ، وَإِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ كَذَّابًا۔“

(صحیح بخاری، حدیث: ۶۰۹۴)

ترجمہ: ”۔۔۔۔۔ یقیناً جھوٹ برائی کی رہنمائی کرتا ہے اور برائی جہنم میں لے جاتی ہے اور آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے، تا آں کہ اللہ کے یہاں ”کذّاب“ (بہت زیادہ

جھوٹ بولنے والا) لکھا جاتا ہے۔‘‘

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں جھوٹ بولنے کو بڑی خیانت قرار دیا ہے۔ خیانت تو خود ہی ایک مبغوض عمل ہے، پھر اس کا بڑا ہونا یہ کتنی بڑی بات ہے! حدیث ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

"كَبُرَتْ خِيَانَةً اَنْ تُحَدِّثَ اَخَاكَ حَدِيْثًا هُوَ لَكَ بِهٖ مُصَدِّقٌ، وَاَنْتَ لَهٗ بِهٖ كَاذِبٌ۔" (سنن ابو داود، حدیث: ۴۹۷۱)

ترجمہ: ’’یہ ایک بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے ایسی بات بیان کرو، جس حوالے سے وہ تجھے سچا سمجھتا ہے، حال آں کہ تم اس سے جھوٹ بول رہے ہو۔‘‘

ایک حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ کو کبیرہ گناہوں میں بھی بڑا گناہ شمار کیا ہے:

"عَنْ اَبِي بَكْرَةَ -رَضِيَ اللهُ عَنْهُ- قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: "اَلَا اُنَبِّئُكُمْ بِاَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟" ثَلَاثًا، قَالُوْا: بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللهِ! قَالَ: "اَلْإِشْرَاكُ بِاللهِ، وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ -وَجَلَسَ وَكَانَ مُتَّكِئًا فَقَالَ- اَلَا وَقَوْلُ الزُّوْرِ." قَالَ: فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا حَتّٰى قُلْنَا: لَيْتَهٗ سَكَتَ۔"

(صحیح بخاری، حدیث: ۲۶۵۴)

’’حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’کیا میں تمہیں وہ گناہ نہ بتلاؤں جو کبیرہ گناہوں میں بھی بڑے ہیں؟ تین بار فرمایا۔

پھر صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا: ہاں! اے اللہ کے رسول!۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (تکیہ پر) ٹیک لگائے ہوئے تھے، پھر فرمایا: ''خبردار! اور جھوٹ بولنا بھی (کبیرہ گناہوں میں بڑا گناہ ہے)۔''

صرف یہی نہیں کہ ایسا جھوٹ جس میں فساد و بگاڑ اور ایک آدمی پر اس جھوٹ سے ظلم ہو رہا ہو، وہی ممنوع ہے، بلکہ لطف اندوزی اور ہنسنے ہنسانے کے لیے بھی جھوٹ بولنا ممنوع ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''وَيْلٌ لِلَّذِيْ يُحَدِّثُ بِالْحَدِيْثِ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ فَيَكْذِبُ، وَيْلٌ لَهُ، وَيْلٌ لَهُ.'' (سنن ترمذی، حدیث: ۲۳۱۵)

ترجمہ: ''وہ شخص برباد ہو جو ایسی بات بیان کرتا ہے، تاکہ اس سے لوگ ہنسیں، لہٰذا وہ جھوٹ تک بول جاتا ہے، ایسے شخص کے لیے بربادی ہو، ایسے شخص کے لیے بربادی ہو۔''

جھوٹ بولنا حرام ہے

شریعتِ مطہرہ اسلامیہ میں جھوٹ بولنا اکبر کبائر (کبیرہ گناہوں میں بھی بڑا گناہ) اور حرام ہے، جیسا کہ قرآن واحادیث کی تعلیمات سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِآيَاتِ اللهِ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْكَاذِبُوْنَ'' (سورۃ النحل: ۱۰۵)

ترجمہ: ''پس جھوٹ افترا کرنے والے تو یہ ہی لوگ ہیں، جو اللہ کی آیتوں پر ایمان

نہیں رکھتے اور یہ لوگ ہیں پورے جھوٹے۔‘‘

ایک دوسری جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

’’وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ‘‘

(سورۃ النحل:۱۱۶)

ترجمہ:’’اور جن چیزوں کے بارے میں محض تمہارا جھوٹا زبانی دعویٰ ہے، ان کی نسبت یوں مت کہہ دیا کرو کہ فلانی چیز حلال ہے اور فلانی چیز حرام ہے، جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ پر جھوٹی تہمت لگادو گے، بلاشبہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ لگاتے ہیں، وہ فلاح نہ پاویں گے۔‘‘

چند مواقع پر جھوٹ کی اجازت

شیخ الاسلام ابوزکریا محی الدین یحییٰ بن شرف نوویؒ (۶۳۱-۶۷۶ھ) اپنی مشہور کتاب:’’ریاض الصّالحین‘‘ میں ’’باب بیان مایجوز من الکذب‘‘ کے تحت رقم طراز ہیں:

’’آپ جان لیں کہ جھوٹ اگرچہ اس کی اصل حرام ہے، مگر بعض حالات میں چند شرائط کے ساتھ جائز ہے۔....اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بات چیت مقاصد (تک حصول) کا وسیلہ ہے، لہٰذا ہر وہ اچھا مقصد جس کا حصول بغیر جھوٹ کے ممکن ہو، وہاں جھوٹ بولنا حرام ہے۔ اگر اس کا حصول بغیر جھوٹ کے ممکن ہی نہ ہو، وہاں جھوٹ بولنا جائز ہے۔ پھر اگر اس مقصد کا حاصل کرنا ’’مباح‘‘ ہے، تو جھوٹ بولنا بھی مباح کے درجے میں ہے۔ اگر اس کا حصول واجب ہے تو جھوٹ بولنا بھی واجب کے درجے میں ہے۔ چنانچہ جب ایک مسلمان

کسی ایسے ظالم سے چھپ جائے، جو اس کا قتل کرنا چاہتا ہے، یا پھر اس کا مال چھیننا چاہتا ہے اور اس نے اس مال کو چھپا کر کہیں رکھ دیا ہو، پھر ایک شخص اس حوالے سے سوال کیا جاتا ہے (کہ وہ شخص یا مال کہاں ہے؟) تو یہاں اس (شخص یا مال) کو چھپانے کے لیے جھوٹ بولنا واجب ہے۔ اسی طرح کسی کے پاس امانت رکھی ہوئی ہو، ایک ظالم شخص اس کو غصب کرنا چاہتا ہے، تو یہاں بھی اس کو چھپانے کے لیے جھوٹ بولنا واجب ہے۔ زیادہ محتاط طریقہ یہ ہے کہ ان صورتوں میں ''توریہ'' اختیار کیا جائے۔ توریہ کا مطلب یہ ہے کہ (بولنے والا شخص) اپنے الفاظ سے ایسے درست مقصود کا ارادہ کرے، جو اس کے لحاظ سے جھوٹ نہ ہو، اگرچہ ظاہری الفاظ اور مخاطب کی سمجھ کے اعتبار سے وہ جھوٹ ہو۔ اگر وہ شخص ''توریہ'' سے کام لینے کے بجائے صراحتاً جھوٹ بھی بولتا ہے، تو یہ ان صورتوں میں حرام نہیں ہے۔''

(باب بیان ما یجوز من الکذب، ریاض الصالحین)

جھوٹ اعتماد و یقین کو ختم کر دیتا ہے

مذکورہ بالا استثنائی صورتوں کے علاوہ ہمیں جھوٹ بولنے سے گریز کرنا چاہیے۔ جھوٹ کبیرہ گناہوں میں سے ہے، لہٰذا جھوٹ بولنا دنیا و آخرت میں سخت نقصان اور محرومی کا سبب ہے۔ جھوٹ اللہ رب العالمین اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا باعث ہے۔ جھوٹ ایک ایسی بیماری ہے، جو دوسری بیماریوں کے مقابلہ میں بہت عام ہے۔ لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں کے لیے جھوٹ کا ارتکاب کرتے ہیں اور اس بات کی پرواہ نہیں کرتے کہ اس جھوٹ سے انھوں نے کیا پایا اور کیا کھویا؟ جب لوگوں کو جھوٹے شخص کی پہچان ہو جاتی ہے، تو لوگ

اس کو کبھی خاطر میں نہیں لاتے ہیں۔ جھوٹ بولنے والا شخص کبھی کبھار حقیقی پریشانی میں ہوتا ہے، مگر سننے والا اس کی بات پر اعتماد نہیں کرتا۔ ایسے شخص پر یقین کرنا مشکل ہوجاتا ہے، کیوں کہ وہ اپنے اعتماد و یقین کو مجروح کر چکا ہے۔

حرفِ آخر

جھوٹ ایک ایسی بیماری ہے جو معاشرہ میں بگاڑ پیدا کرتی ہے۔ لوگوں کے درمیان لڑائی، جھگڑے کا سبب بنتی ہے۔ دو آدمیوں کے درمیان عداوت و دشمنی کو پروان چڑھاتی ہے۔ اس سے آپس میں ناچاقی بڑھتی ہے۔ اگر ہم ایک صالح معاشرہ کا فرد بننا چاہتے ہیں، تو یہ ہماری ذمے داری ہے کہ ہم لوگوں کو جھوٹ کے مفاسد سے آگاہ اور باخبر کریں، جھوٹے لوگوں کی خبر پر اعتماد نہ کریں، کسی بھی بات کی تحقیق کے بغیر اس پر ردِّ عمل نہ دیں۔ اگر ایک آدمی کوئی بات آپ سے نقل کرتا ہے تو اس سے اس بات کے ثبوت کا مطالبہ کریں۔ اگر وہ ثبوت پیش نہیں کر پاتا تو اس کی بات پر کوئی توجہ نہ دیں اور اسے دھتکاریں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹ سے زیادہ کوئی عادت ناپسند نہیں تھی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر کسی کے حوالے سے یہ معلوم ہوجاتا کہ وہ دروغ گو ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں کدورت بیٹھ جاتی اور اس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل صاف نہیں ہوتا، جب تک یہ معلوم نہ ہوجاتا کہ اس نے اللہ سے اپنے گناہ کی نئے سرے سے توبہ نہیں کرلی ہے۔

(مسند احمد، بحوالہ احیاء العلوم، ج: ۳، ص: ۲۰۹)

مثالی خاتون

اخت اطہر

حضرت ام سلیم انصاریہ رضی اللہ عنہا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی من جملہ خصوصیات میں سے ایک آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم ہیں۔ آپ کے تمام صحابہؓ ہدایت کے روشن ستارے اور اخلاق و کردار کے جواہر

پارے ہیں۔ اصحابِ رسولؐ کے مناقب بیان کرتے ہوئے عموماً مرد صحابہ کرامؓ کا ہی ذکرِ خیر ہوتا ہے، اور حضراتِ صحابیاتؓ کا تذکرہ کم یا ازواج و بناتِ رسول تک محدود ہوتا ہے، جب کہ کتبِ سیرت میں بعض ایسی صحابیاتؓ کا بھی ذکر ملتا ہے، جن کی زندگی مسلم خواتین کے لیے بہترین نمونہ اور ان کا جذبۂ دینی اور ایمانی غیرت وحمیت ساری اُمت کے لیے لائقِ اُسوہ ہے، انہی بے مثال فائق المرتبت صحابیاتؓ میں سے ایک اُمِ سُلیم بنت ملحان انصاریہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ حضرت اُمِ سُلیم رضی اللہ عنہا کی زیرکی، فہم وفراست، صبر وتقویٰ، ایمان کے تعلق سے ان کے جذبات، عشقِ رسول کے باب میں ان کے واقعات، اسلام کے تئیں ان کی خدمات اور بحیثیت عورت ان کی سوانح حیات سبھی لائقِ عبرت اور قابلِ تقلید ہیں۔

یہ خادم النبی حضرت انس بن مالک الانصاری رضی اللہ عنہ کی ماں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یا آپ کے والد ماجد کی رضاعی خالہ تھیں، ان کا نام رملہ یا سہلہ؛ لقب رُمیصاء یا غمیصاء اور کنیت وشہرت اُمِ سُلیم بنت ملحان ہے، مدینہ میں اوائلِ اسلام میں مسلمان ہوئیں، جب ان کے شوہر ابوانس (مالک) کو پتہ چلا تو پوچھا: ''کیا تم نے اپنا دین چھوڑ دیا؟ اُنہوں نے فرمایا: نہیں، میں نے اپنا دین نہیں چھوڑا، بلکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائی ہوں، پھر وہ اپنے بیٹے انسؓ کو کلمہ سکھاتی تھیں: بیٹے! کہو: لا إلہ إلا اللہ، کہو: أشہد أن محمدً ا رسول اللہ۔ جب انسؓ یہ کہتے تو ان کے والد غصے سے کہتے: میرے بیٹے کو مت بگاڑو! تو اُم سُلیمؓ فرماتیں: میں اُسے بگاڑ نہیں رہی، بلکہ سنوار رہی ہوں۔

(نسائی شریف)

اُن کے پہلے شوہر مالک چونکہ اپنے آبائی مذہب پر قائم رہنا چاہتے تھے اور حضرت اُم سُلیم رضی اللہ عنہا تبدیلیِ مذہب پر اصرار کرتی تھیں، اس لیے دونوں میں کشیدگی ہوئی اور مالک ناراض ہو کر شام چلے گئے اور وہیں انتقال ہوا، جب ابوطلحہ رضی اللہ عنہ (جو اس وقت مشرک تھے) نے ان سے نکاح کا پیغام بھیجا تو انہوں نے انکار کیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: ابوطلحہ نے کہا: میں تم سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ اُمِ سُلیمؓ بولیں: میں ایمان لا چکی ہوں، اگر تم اسلام لے آؤ تو میں تم سے شادی کرلوں گی۔ ابوطلحہ نے کہا: میں بھی تمہارے دین پر ہوں، چنانچہ وہ ایمان لائے اور اسلام ہی ان کا مہر قرار پایا؛ ایک اور روایت میں ہے کہ ام سُلیمؓ نے فرمایا: اے ابوطلحہ! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے بتوں کو فلاں کا غلام تراشتا ہے؟ اور اگر تم ان پر آگ لگا دو تو جل جائیں گے؟ یہ بات ان کے دل میں اثر کر گئی، وہ واپس لوٹے، پھر آئے اور کہا: میں نے تمہاری دعوت قبول کرلی ہے؛ یوں ان کا مہر اسلام قرار پایا۔ (نسائی وطبقات ابن سعد)

اس عظیم عورت کا جذبہ تو دیکھیں کہ پہلے شوہر سے کشیدگی ہوئی ایمان کے نہ ہونے کی بنیاد پر اور دوسرے شوہر سے بیاہ کیا ایمان ہی کو مہر بنا کر، اس واقعے سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان کے دل میں ایمان کی کس قدر عظمت تھی!!

ایک سمجھدار وصاحبِ فراست ماں

بحیثیت ماں حضرت ام سُلیمؓ کا کردار دیکھیں کہ نبی علیہ السلام کے مدینہ تشریف

لاتے ہی فوراً اپنے لختِ جگر حضرت انس رضی اللہ عنہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے پیش کر دیا۔ (بخاری ومسند احمد)

تاریخ نگاران کی اس فراست کی خوب تعریف کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے لڑکے کے بہتر مستقبل اور اس کی دینی و دنیاوی سعادت مندی کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے حوالہ کر دیا، حضرت انس رضی اللہ عنہ کس قدر خوش قسمت تھے کہ ان کو دس سال تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت وخدمت اور آپ کی برکات سے مستفیض ہونے کا موقع عنایت ہوا، یہ ان کے ماں کی دور رسی تھی جنہوں نے یہ اقدام کیا۔ ایک بیٹے کے لیے اپنی ماں کی طرف سے خدمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا موقع فراہم کرنے سے قیمتی اور کیا تحفہ ہوسکتا ہے؟!

اسی کی برکت ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی روایات نقل کی ہیں، آج کل کی عورتوں کو حضرت اُمِ سُلیم رضی اللہ عنہا کی اس پیش رفت سے سبق حاصل کرنا چاہیے کہ وہ بھی اپنی اولاد کے حسنِ عاقبت کی فکر کریں، اور اولاد کی دنیوی ترقی کے لیے ہی ان کے جذبات کارفرما ہوں۔

حضرت اُمِ سُلیم رضی اللہ عنہا کا عشقِ رسول

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حد درجہ لگاؤ کا ایک واقعہ تو یہی ہے کہ اپنے جگر گوشہ کو آپ کی خدمت کے لیے وقف کر دیا، اس کے علاوہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کو انوکھا لگاؤ تھا۔ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اُمِ سُلیم رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے اور ایک

مَشکیزے سے پانی پیا، حضرت اُمِ سُلیمؓ نے مَشکیزے کے اُس حصے کو کاٹ کر بطورِ تبرک اپنے پاس رکھ لیا جس حصّے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی پیا تھا۔ (مسند احمد)

اسی تعلق کا نتیجہ تھا کہ پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے گھر تشریف لاتے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب پسینہ آتا تھا تو آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ جمع کر لیتیں اور اسے خوشبو میں ڈال لیتی تھیں، ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو ارشاد فرمایا: اے اُمِّ سُلیم! یہ تم کیا کر رہی ہو؟ عرض کیا: حُضور! یہ آپ کا پسینہ ہے جسے ہم اپنی خوشبو میں ڈال لیتے ہیں، یہ بہترین خوشبو ہے۔ (صحیح مسلم) ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا: یارسول اللہ! ہم اس کی برکت کی اپنے بچّوں کے لیے اُمید کرتے ہیں، فرمایا: تم ٹھیک کرتی ہو، چنانچہ جب حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے وصیت کی کہ ان کے حَنُوط میں اس خوشبو کو ملایا جائے، لہٰذا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وصیت کے مطابق ان کے حَنُوط میں اس خوشبو کو ملا دیا گیا۔

پیکرِ صبر حضرت ام سُلیمؓ ایک مثالی بیوی

بخاری شریف وغیرہ میں ان کا ایک بہت ہی نصیحت آموز اور عبرت خیز واقعہ مذکور ہے کہ ام سُلیمؓ کا ایک بچہ بیمار تھا، جب ان کے شوہر ابوطلحہ رضی اللہ عنہ صبح کو اپنے کام دھندے کے لیے باہر جانے لگے تو اس بچہ کا سانس بہت زور زور سے چل رہا تھا، ابھی ابوطلحہؓ مکان پر نہیں آئے تھے کہ بچہ کا انتقال ہو گیا، اُمِ سُلیم نے سوچا کہ دن بھر کے تھکے ماندے میرے شوہر مکان پر آئیں گے اور بچے کے انتقال کی خبر سنیں گے تو نہ کھانا کھا سکیں گے، نہ چین

سے آرام کرسکیں گے، اس لیے انھوں نے بچے کی نعش کو ایک الگ کمرے میں لٹا دیا اور خود روزانہ کی طرح کھانا پکایا، پھر خوب اچھی طرح بناؤ سنگار کرکے شوہر کے آنے کا انتظار کرنے لگیں، جب ابوطلحہ رضی اللہ عنہ رات کو گھر آئے تو پوچھا کہ بچے کا کیا حال ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اب اس کا سانس ٹھہر گیا ہے، ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مطمئن ہو گئے اور انھوں نے یہ سمجھا کہ سانس کا کھنچاؤ تھم گیا ہے، پھر فوراً ہی کھانا سامنے آ گیا اور انھوں نے شکم سیر ہو کر کھانا کھایا، پھر بیوی کے بناؤ سنگار کو دیکھ کر بیوی سے صحبت بھی کی، جب سب کاموں سے فارغ ہو کر بالکل ہی مطمئن ہو گئے تو ام سُلیم رضی اللہ عنہا نے کہا کہ: اے میرے پیارے شوہر! مجھے یہ مسئلہ بتائیں کہ اگر ہمارے پاس کسی کی کوئی امانت ہو اور وہ اپنی امانت ہم سے لے لے تو کیا ہم کو برا ماننے یا ناراض ہونے کا کوئی حق ہے؟ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ہرگز نہیں! امانت والے کو اس کی امانت خوشی خوشی دے دینی چاہیے، شوہر کا یہ جواب سن کر ام سُلیم رضی اللہ عنہا نے کہا کہ آج ہمارے گھر میں یہی معاملہ پیش آیا کہ ہمارا بچہ جو ہمارے پاس خدا کی ایک امانت تھا آج خدا نے وہ امانت واپس لے لی اور ہمارا بچہ انتقال کر گیا۔ یہ سن کر ابوطلحہ رضی اللہ عنہ چونک کر اُٹھ بیٹھے اور حیران ہو کر بولے کہ کیا میرا بچہ انتقال کر گیا؟ بی بی نے کہا کہ جی ہاں! ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: تم نے تو کہا تھا کہ اس کے سانس کا کھنچاؤ تھم گیا ہے۔ بیوی نے کہا کہ جی ہاں مرنے والا کہاں سانس لیتا ہے؟ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو بے حد افسوس ہوا کہ ہائے میرے بچے کی لاش گھر میں پڑی رہی اور میں نے پیٹ بھر کھانا کھایا اور صحبت کی۔ بیوی نے اپنا خیال ظاہر کر دیا کہ آپ دن بھر کے تھکے ہوئے گھر آئے تھے، میں فوراً ہی اگر بچے کی موت کا حال کہہ

دیتی تو آپ رنج وغم میں ڈوب جاتے، نہ کھانا کھاتے، نہ آرام کرتے، اس لیے میں نے اس خبر کو چھپایا، ابوطلحہؓ صبح کو مسجد نبوی میں نمازِ فجر کے لیے گئے اور رات کا پورا ماجرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطلحہؓ کے لیے یہ دعا فرمائی کہ تمہاری رات کی اس صحبت میں اللہ تعالیٰ خیر و برکت عطا فرمائے۔ (صحیح بخاری و مسند احمد) اس دعائے نبوی کا یہ اثر ہوا کہ حضرت اُمِ سُلیم کو دوبارہ حمل ٹھہر گیا اور ایک بچہ پیدا ہوا، جس کا نام عبداللہ رکھا گیا اور ان عبداللہ کے بیٹوں میں بڑے بڑے علماء اور حفاظِ قرآن پیدا ہوئے۔

یہ حضرت رُمیصاء رضی اللہ عنہا کا بحیثیت بیوی ایک مثالی کردار ہے، اولاً تو بیٹے کی وفات پر ان کا ضبطِ غم اور صبر کا غیر معمولی مظاہرہ، پھر ایسے نا قابل برداشت موقع پر بھی شوہر کی راحت و آرام کی فکر کرنا واقعی حضرت ام سُلیمؓ کا ہی حصہ ہے۔

حضرت اُمِ سُلیم رضی اللہ عنہا کی بہادری و جہادی خدمات

غزوات میں حضرت اُمِ سُلیمؓ نے نہایت جوش سے حصہ لیا، صحیح مسلم میں ہے:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اُمِ سُلیمؓ اور انصار کی چند عورتوں کو غزوات میں لوگوں کو پانی پلانے اور زخمیوں کی مرہم پٹی کے لیے ساتھ لے جاتے تھے، غزوۂ اُحد میں جب مسلمانوں کے جمے ہوئے قدم اُکھڑ گئے تھے، وہ نہایت مستعدی سے کام کر رہی تھیں۔ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اُمِ سُلیم رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ مشک بھر بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں، مشک خالی ہو جاتے تھے تو پھر جا کر بھر لاتی تھیں؛ سات ہجری میں خیبر کا

واقعہ ہوا، اُمّ سُلیمؓ اس میں شریک تھیں؛ غزوۂ حنین میں ایک خنجر اُن کے ہاتھ میں تھا، ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اُم سُلیم خنجر لی ہوئی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا کروگی؟ بولیں: اگر کوئی مشرک قریب آئے گا تو اس سے اس کا پیٹ چاک کردوں گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر مسکرا دیے۔ حضرت اُمِ سُلیم رضی اللہ عنہا نے کہا: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مکہ کے جولوگ فرار ہو گئے ہیں، ان کے قتل کا حکم دیجیے۔ ارشاد ہوا: خدا نے خود اُن کا انتظام کر دیا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے کچھ واقعات

پانچ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُم المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا، اس موقع پر اُمّ سُلیم نے ایک لگن میں مالیدہ بنا کر انس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا اور کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنا کہ اس حقیر ہدیہ کو قبول فرمائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو اُمّ سُلیم ہی نے صفیہ رضی اللہ عنہا کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سنوارا تھا۔

اسی طرح ایک مرتبہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آئے اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھوکے ہیں، کچھ بھیج دو، حضرت اُم سُلیمؓ نے چند روٹیاں ایک کپڑے میں لپیٹ کر حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر پیش کر دیں، آپ مسجد میں تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم بھی بیٹھے ہوئے تھے، حضرت انسؓ کو دیکھ کر فرمایا: ابوطلحہؓ نے تم کو بھیجا ہے؟ بولے: جی ہاں! فرمایا: کھانے کے لیے؟ کہا: ہاں! آپ تمام صحابہ رضی

اللہ عنہم کو لے کر ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لائے، ابوطلحہؓ گھبرا گئے اور حضرت اُم سُلیمؓ سے کہا: اب کیا کیا جائے؟ کھانا نہایت قلیل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجمع کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں۔ حضرت اُم سُلیمؓ نے نہایت استقلال سے جواب دیا کہ ان باتوں کو خدا اور رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اندر آئے تو حضرت اُم سُلیمؓ نے وہی روٹیاں اور سالن سامنے رکھ دیا، خدا کی شان اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز کہ اس مختصر خوراک میں بڑی برکت ہوئی اور سب لوگ کھا کر سیر ہو گئے۔ (تذکرۂ صحابیاتؓ)

اُمِ سُلیم رضی اللہ عنہا کو جنت کی بشارت

صحیحین کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میں جنت میں گیا تو مجھ کو آہٹ معلوم ہوئی، یا فرمایا: پیروں کی آہٹ محسوس کی، میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ تو جواب دیا گیا کہ یہ ام سُلیم بنت ملحان ہے۔ سبحان اللہ! (بخاری و مسلم)

حضرت امِ سُلیمؓ کی وفات کا وقت یقینی طور پر معلوم نہیں، لیکن اکثر مؤرخین کے مطابق وہ خلافتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے تک زندہ رہیں۔ مدینہ منورہ میں وفات پائی اور بقیع الغرقد میں مدفون ہوئیں۔ (الاستیعاب)

عربی ناول

ایک فلسطینی بچے کی رودادِ الم 14

محمود کی آزمائش

عربی کا ایک ایسا ناول جس کو پڑھتے ہوئے آنکھوں سے آنسو بھی رواں ہو جاتے ہیں اور دلوں میں کچھ کرنے کے عزائم بھی انگڑائی لینے لگتے ہیں......قدم قدم پر خوف اور امید ایک ساتھ چلتے ہیں......
بلند حوصلہ فلسطینی اور خون خوار اسرائیلی ہر موڑ پر آمنے سامنے ہوتے ہیں......
تاریخی سچائیوں کے پس منظر میں لکھی جانے والی ایک فلسطینی بچے کی کہانی......جو آپ کو غزہ، الخلیل اور مغربی کنارے سمیت تمام علاقوں کی سیر کرواتے ہوئے قبلۂ اول مسجد اقصیٰ شریف میں لا کر کھڑا کر دے گی۔
''حرکۃ المقاومۃ الاسلامیۃ'' کے عظیم راہنما یحییٰ السنوار کے قلم سے نکلی ہوئی تجسس بھری یہ داستانِ خونچکاں ہوش رُبا بھی اور چشم کشا بھی......''الشوک والقرنفل'' کے نام سے انہوں نے یہ کہانی اسرائیل کے جیلوں میں بیٹھ کر قید و بند کی تکالیف سہتے ہوئے لکھی تھی......

اگلے دن جب میرا بھائی محمود مصر سے اپنی پڑھائی مکمل کر کے غزہ آیا، ایک اور طالب علم جو مصر سے گرمیوں کی چھٹیوں پر آیا تھا۔ اس کے سامان کی تلاشی کے دوران ایک خط پکڑا گیا جس میں ان فلسطینی نوجوانوں کی فہرست تھی جو مصر میں فتح تحریک کے لیے منظم کیے گئے تھے، تاکہ غزہ کے علاقے میں فدائی کام کی تنظیم شروع کریں، اس فہرست میں محمود کا نام بھی تھا، جس کی بنا پر اسے گرفتار کرلیا گیا اور اس سے تفتیش شروع ہوگئی، غزہ کی جیل میں تفتیشی شعبے کو "مسالخ" کہا جاتا تھا کیونکہ وہاں جو بھی داخل ہوتا تھا، اس پر بے پناہ تشدد اور ظلم ہوتا تھا، یہ ایک عمارت تھی جس کے بیچ میں ایک راہداری تھی۔ جس کی چوڑائی تقریباً چار میٹر اور لمبائی میں میٹر تھی، اس کے دونوں طرف مختلف سائز کے کمروں کے دروازے کھلتے تھے، جہاں تفتیش ہوتی تھی، اس لمبی راہداری میں قیدیوں کو زمین پر بٹھایا جاتا یا دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑا کیا جاتا تھا اور ان کے سروں کو موٹے کپڑے کے تھیلوں سے ڈھانپ دیا جاتا تھا جو کندھوں تک ہوتے تھے اور ان کے ہاتھ پیچھے بندھے ہوتے تھے، سپاہی ان کے درمیان گھومتے رہتے، مارتے، ٹھوکر مارتے اور تھپڑ مارتے رہتے تھے، اگر سپاہیوں کو لگتا کہ کوئی لمحہ بھر کے لیے بھی سو گیا ہے یا اونگھ گیا ہے تو اس پر ٹھنڈا پانی انڈیل دیتے تھے۔ وقتاً فوقتاً کسی قیدی کو گھسیٹ کر ایک طرف کے کمروں میں لے جایا جاتا، جہاں اس کے سر سے تھیلا ہٹا دیا جاتا اور وہ اپنے سامنے چند تفتیشی افراد کو پاتا جو عبرانی لہجے میں عربی بولتے تھے اور اس سے ہزاروں سوالات کرتے تھے، اس دوران لاتیں، مکے اور تھپڑ مارتے رہتے تھے، ایک تفتیشی افسر دوست بن کر قیدی کی مدد کرنے کا ڈراما کرتا

تھا، وہ اسے مارنے والے ظالم افسران سے بچاتا تھا اور کہتا تھا: اسے چھوڑ دو، میں اس سے بات کروں گا، مجھے معلوم ہے کہ مار پیٹ سے کچھ حاصل نہیں ہوگا اور مجھے معلوم ہے کہ وہ اعتراف کرنا چاہتا ہے، وہ ظالموں کو کمرے سے باہر نکال دیتا تھا اور میٹھے بول بول کر قیدی کو اعتراف کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتا تھا کہ انکار کا کوئی فائدہ نہیں، سب کچھ معلوم ہے اور وہ پھر اسے ماریں گے اور اذیت دیں گے یہاں تک کہ وہ اعتراف کرلے، تو اس تکلیف کا کیا فائدہ؟ اور اسی طرح کی میٹھی باتیں کرتا تھا کبھی اسے سگریٹ دیتا تھا یا چائے کا کپ پیش کرتا تھا، اگر وہ اعتراف کروانے میں کامیاب ہوجاتا تو اس سے لکھوالیتا، اور اگر نا کام رہتا تو دوبارہ ظالم افسران کو بلالیتا جو اپنی طاقت سے اعتراف کروانے کا کام جاری رکھتے تھے۔

قیدی کو اس کی پیٹھ پر لٹایا جاتا اور اس کے ہاتھ پیچھے ہتھکڑیوں سے بندھے ہوتے، اس کے چہرے اور سر پر کپڑے کی بوری ہوتی، اور ایک شخص اس کے سینے پر بیٹھ جاتا، تاکہ اس کا گلا گھونٹے اور بوری پر پانی ڈالے، دوسرا شخص اس کے پیٹ پر کھڑا ہوتا، جبکہ تیسرا شخص کرسی کو اس کی ٹانگوں کے درمیان رکھ کر بیٹھ جاتا، تاکہ اس کی ٹانگوں کو الگ کرسکے، اور چوتھا شخص اس کے نازک اعضاء کو دباتا، دو اور افراد اس کے دونوں پیروں کو پکڑے ہوتے، اسی طرح ایک راؤنڈ کے بعد چند سیکنڈ کا وقفہ ہوتا اور پھر دوبارہ اسی طرح تشدد کیا جاتا کبھی کبھار اس کے ہاتھوں کو پیچھے ہتھکڑیوں سے باندھ دیا جاتا اور اسے حلقے میں یا دیوار پر لگے پائپ سے باندھ دیا جاتا، جہاں وہ تقریباً معلق ہوتا اور اس کی انگلیوں کے سرے زمین کو

چھوتے اس دوران اس کے سر پر ایک یا زیادہ بوریاں ڈال دی جاتی، اور پھر اس کے پیٹ میں مکوں اور جسم کے دیگر حصوں میں لاتوں سے مارا جاتا اور اس پر ٹھنڈا پانی ڈالا جاتا کبھی کبھار اس پر پنکھا بھی چلایا جاتا، جس سے وہ سردی سے کانپنے لگتا اور اس کا جسم جم جاتا۔

ان تمام سلوک سے محمود کو (غزہ کی جیل کی سلاخوں میں تفتیش کے دوران گزرنا پڑا، اس کے جسم کا ڈھانچہ کمزور ہو گیا اور وہ پہچانا نہیں جا سکتا تھا، چالیس دن تک یہ سلسلہ جاری رہا جس میں اسے کم ہی نیند میسر آئی یا کھانا نصیب ہوا اور اس کے جسم کو پانی نہیں چھوا، جب کبھی وہ چاہتے کہ وہ کچھ دیر آرام کرے تاکہ وہ مر نہ جائے تو اسے ایک چھوٹے سے سیل میں ڈال دیا جاتا جو ڈیڑھ میٹر چوڑا اور ڈھائی میٹر لمبا ہوتا وہاں وہ پانچ یا چھ دوسرے قیدیوں کے ساتھ ہوتا جنہیں تفتیش اور کم نیند نے کمزور کر دیا ہوتا، وہ ایک دوسرے کے اوپر گر کر سو جاتے اور صرف جلادوں کے ہاتھوں سے ہی بیدار ہوتے جو اُنہیں دوبارہ تفتیش کے لیے لے جاتے، ہفتوں کے انکار کے بعد کہ محمود کا کسی تنظیم یا فتح سے کوئی تعلق نہیں، اس کے سامنے ایک طالب علم کا ذکر کیا گیا جو مصر سے آیا تھا اور جس کے پاس اس کے اور دیگر لوگوں کے ناموں کی فہرست تھی محمود نے انکار جاری رکھا اور کہا کہ یہ سب جھوٹ ہے، اس کے بعد اسے دوبارہ پرانے طریقوں سے تشدد کا نشانہ بنایا گیا، بالآخر محمود نے اعتراف کیا کہ مصر میں کسی نے اسے فتح کے لیے منظم کیا تھا اور کہا کہ وہ اس سے رابطہ کریں گے محمود نے سوچا کہ اس کے بعد معاملہ ختم ہو جائے گا لیکن تفتیش دوبارہ شروع ہو گئی، کیا آپ نے کسی ہتھیار کی تربیت لی ہے؟ آپ سے کون سے مشن کی توقع کی گئی؟ آپ کے ساتھ کون شامل

تھا؟ کیا آپ نے کسی اور کو شامل کیا؟ اور وہ کون تھے؟ ہزاروں سوالات تھے، اور اس کے انکار کے باوجود کہ اس نے کچھ نہیں کیا تفتیش دوبارہ شروع ہوئی اور زیادہ سخت اور اذیت ناک ہوگئی محمود نے جب سمجھا کہ اس نے غلطی کی ہے، حسین نے اپنا پہلا اقرار کر لیا تھا اور وہ ویسے بھی اسی عذاب میں مبتلا رہتا، لہٰذا اسے اپنے اقرار پر قائم رہنا چاہیے، تاکہ وہ خود کو زیادہ عرصے قید میں نہ پھنسا لے، اسی طرح تفتیش کار محمود اور دوسرے قیدیوں کو اذیت دیتے رہے جہاں سارا دن اور رات قیدیوں کی چیخیں اور تفتیش کاروں کی گالیاں اور شتم سنائی دیتی رہتی۔

تقریباً چالیس دن بعد تفتیش کاروں نے سمجھا کہ انہیں محمود سے مزید کچھ حاصل نہیں ہوگا، لہٰذا اسے خصوصی قید میں منتقل کر دیا، چند ہفتوں بعد اسے عام جیل میں منتقل کر دیا۔ اس نے جیل کے ایک سیکشن میں ایک کمرے میں داخل ہو کر کچھ کپڑے، کمبل، دو پلاسٹک کی پلیٹیں اور ایک چمچ حاصل کیا، وہاں اس نے تقریباً بیس قیدیوں کو پایا، جن میں سے کچھ کو وہ کیمپ کے بیٹے کے طور پر جانتا تھا، وہاں اس کے بھائیوں نے اس کا خیر مقدم کیا اور اس کو تسلی دی، سب نے اپنا تعارف کروایا نام علاقہ اور الزام وغیرہ محمود کو سب سے زیادہ پریشانی اور فکر اپنی ماں اور ہمیں دیکھنے اور یہ یقین دہانی کرانے کی تھی کہ وہ بھی زندہ ہے اور ٹھیک ہے، اسے امید تھی کہ اسے زیادہ عرصے کے لیے قید نہیں کیا جائے گا، جیسے کہ بہت سے لوگ جو قید ہو کر جیل میں داخل ہوتے ہیں اور پھر کبھی باہر نہیں آتے، اس نے پہلے لمحے سے ہی اہل خانہ کی ملاقاتوں کے بارے میں پوچھا، تو نوجوانوں نے اسے بتایا کہ غزہ کے علاقے

کے لیے ملاقات ہر مہینے کے پہلے جمعہ کو ہوتی ہے، اس نے تاریخ پوچھی تو معلوم ہوا کہ اسے مزید دو ہفتے انتظار کرنا ہوگا۔

میری ماں نے کچھ پڑوسیوں سے پوچھا، جن کے بیٹے قید میں تھے، خاص طور پر ہماری پڑوسن ام العبد سے، کہ کیا ہم کھانے پینے اور کپڑے وغیرہ جیل لے جا سکتے ہیں اور کیا انہیں اندر لے جانے کی اجازت ہوگی؟ تو جواب نفی میں ملا، اس نے معلوم کیا کہ کتنے لوگوں کو ملاقات کی اجازت ہے؟ اور جانا کہ تین بڑے یا دو بڑے اور ایک چھوٹے کو اجازت ہے، اور اس رات جو پہلی ملاقات سے پہلے تھی، ہم نے بہت بحث کی کہ ماں کے ساتھ محمود سے ملنے کون جائے گا، ہر کوئی چاہتا تھا کہ وہ جائے آخری بات یہ ہوئی کہ ماں نے میری بہن فاطمہ، مجھے اور مریم کو منتخب کیا، حسن ناراض ہوا اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا لیکن ماں نے اسے واضح کیا کہ وہ اسے فوجیوں اور جیلروں کے ساتھ جھگڑے سے بچانا چاہتی ہے اور یہ کہ پہلی ملاقات ہے، ہم جائیں گے، صورتحال کو جانچیں گے، پھر فیصلہ کریں گے حسن نے مایوسی کے ساتھ اس بات پر رضامندی ظاہر کی۔

جمعہ کی صبح جب سورج طلوع ہو رہا تھا، ہم غزہ سینٹرل جیل کی عمارت سرایا کے سائیڈ گیٹ کے باہر کھڑے تھے، وہاں پہنچے پر ہم نے دیکھا کہ سینکڑوں خاندان دیوار کے ساتھ انتظار کر رہے تھے، وہاں آہنی پائپوں کی ایک رکاوٹ تھی تاکہ قطار کو منظم کیا جا سکے، ہم سب ایک مخصوص انتظار گاہ میں بیٹھ گئے، دروازے میں ایک کھڑکی کھلی اور ایک سپاہی نے جھانک کر دیکھا، پھر دروازہ کھولا اور ہاتھ میں ایک رجسٹر لے کر باہر آیا اور نام پکارنے لگا،

جب بھی کسی قیدی کا نام پکارا جاتا، اس کے اہل خانہ کھڑے ہو کر" جی" کہتے اور آہنی حد فاصل کی ابتدا کی طرف بڑھ جاتے تا کہ عمارت میں داخلہ کے منتظر قطار میں کھڑے ہو سکیں، جب بھی وہ تیس نام پکارتا اور ان کے اہل خانہ قطار میں کھڑے ہو جاتے، وہ انہیں تلاشی کے لیے اندر لے جاتے، مردوں اور عورتوں کو الگ کرنے کے بعد دوبارہ ملاتے اور ملاقات کے لیے لے جاتے۔

ہم شدت سے انتظار کر رہے تھے جب تک کہ میرے بھائی محمود کا نام پانچویں گروپ میں پکارا گیا، ہم نے" جی" کہا اور قطار میں کھڑے ہو گئے جب تک کہ گروپ مکمل نہ ہو گیا، پھر انہوں نے ہمیں اندر داخل کرنا شروع کیا، ہمارے ساتھ کوئی بالغ مرد نہیں تھے، اس لیے ہم سب خواتین کی تلاشی کے حصے میں چلے گئے، جہاں خواتین سپاہیوں نے میری والد، بہنوں اور میری تلاشی لی، پھر ہمیں ایک صحن میں لے گئے، جہاں ہم نے دوسروں کی تلاشی مکمل ہونے تک انتظار کیا، ہم نے دیکھا کہ ہمارے سے پہلے کا گروپ ملاقات سے واپس آ رہا تھا، پھر ہمیں لمبے، مدھم روشنی والے راستوں سے گزار کر ملاقات کے سیکشن تک لے جایا گیا، جہاں ایک سیمنٹ کی دیوار میں لوہے کی جالیوں سے ڈھکی کھڑکیاں تھیں جو دیوار کے دونوں طرف ہمیں قیدیوں سے جدا کرتی تھیں، بچے پہلے دوڑتے ہوئے داخل ہوئے اور بڑے آہستہ چلتے ہوئے میں بھی بچوں کے ساتھ دوڑتا ہوا داخل ہوا اور ہم سب اپنے والد یا بھائی کو تلاش کرنے لگے، میں نے اپنے بھائی محمود کو ایک کھڑکی کے پیچھے بیٹا ہوا پایا اور چلانے لگا یہاں ہے محمود، یہاں ہے محمود شور بلند ہو گیا تھا اور میری ماں نے مجھے نہیں

سنا لیکن انہوں نے مجھے کھڑکی کے سامنے کھڑے دیکھا تو وہ میری بہنوں فاطمہ اور مریم کے ساتھ آگے بڑھیں۔

میری ماں نے محمود پر ہزاروں سوالوں کی بارش کر دی، اس کی حالت صحت کیا انہوں نے اسے مارا؟ کیا اسے کھانا دیا؟ اس کے جسم کا حال؟ کیا اس کی ٹانگیں یا ہاتھ شل ہو گئے؟ بے انتہا سوالات بغیر کسی جواب کا انتظار کیے!! اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے محمود انہیں پر سکون کرنے کی کوشش کرتا ہوا ہاتھ کے اشارے سے کہتا: ماں، میں ٹھیک ہوں، میرے ساتھ سب ٹھیک ہے، دیکھو میں تمہارے سامنے ہوں، میری صحت ٹھیک ہے، میرے پاؤں ٹھیک ہیں، سب کچھ ٹھیک ہے تم کیسے ہو؟ اور میرے بہن بھائی کیسے ہیں؟ فاطمہ تم کیسی ہو؟ مریم تم کیسی ہو؟ فاطمہ نے آنسو پونچھتے ہوئے جواب دیا: بھائی میں ٹھیک ہوں اور مریم نے کہا: الحمد للہ۔

میری والدہ نے ان سے ان کے کیس اور عدالت کے بارے میں پوچھنا شروع کیا اور انہوں نے جواب دیا کہ یہ ایک چھوٹا سا مسئلہ ہے اور ان شاء اللہ سزا ایک سال یا ڈیڑھ سال سے زیادہ نہیں ہوگی، میری والدہ نے یہ سن کر ایسی چیخ ماری کہ جیسے ان کی روح ان کے جسم سے نکل رہی ہو اور بولی: ایک سال یا ڈیڑھ سال، ہائے اللہ! تو محمود نے انہیں تسلی دینا شروع کی اور انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کی اور بتایا کہ انہوں نے ایک وکیل مقرر کر دیا ہے، پھر وہ جیل کے محافظ جو ہمارے پیچھے کھڑے تھے، اور ان کے پیچھے دوسری طرف موجود لوگ زور زور سے تالیاں بجانے اور چلانے لگے: وزٹ ختم، وزٹ ختم، ہم نے دوبارہ الوداعی سلام کیا، اور محافظوں نے محمود اور دوسرے قیدیوں کو پکڑ لیا اور انہیں دروازے کے

پیچھے گھسیٹتے ہوئے لے گئے اور ہمیں یعنی اہل خانہ کو باہر دھکیلنے لگے۔

اس ملاقات سے مجھے یہ فائدہ ہوا کہ میں نے محمود کو دیکھا، انہوں نے میری خیریت معلوم کی اور میں نے ان کی خیریت معلوم کی، جب انہوں نے میری والدہ کو الوداع کہا تو مجھے بھی یاد کیا اور بولے: الوداع احمد، اس سارے وقت میں میری والدہ کے سوالات اور محمود کی تسلیاں چلتی رہیں، اور کیس اور سزا کے بارے میں بات ہوتی رہی، اہم بات یہ ہے کہ اس وزٹ کے بعد ہماری والدہ کی نفسیاتی حالت بہتر ہوگئی اور وہ کسی حد تک اپنی معمول کی حالت میں واپس آنے لگی۔

محمود غزہ کی جیل کے سیکشن (ب) میں تھا، جو آٹھ کمروں پر مشتمل تھا، ان کمروں کے دروازے تین میٹر چوڑے راہداری پر کھلتے تھے، ہر کمرے کا رقبہ پندرہ مربع میٹر سے پچیس مربع میٹر تک ہوتا تھا، ان کمروں میں چھوٹی کھڑکیاں اور لوہے کی سلاخوں والے دروازے تھے، ایک کونے میں بیت الخلاء ہوتا تھا، ہر کمرے میں کم از کم بیس قیدی ہوتے تھے، جو زمین پر کمبل بچھا کر ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہوتے تھے، یہاں تک کہ ایک آدمی اپنی پیٹھ کے بل نہیں لیٹ سکتا تھا اور اگر وہ کروٹ بدلنا چاہتا تو اسے اٹھ کر کھڑا ہونا پڑتا اور پھر کروٹ بدل کر لیٹنا پڑتا، اگر کسی کو بیت الخلاء جانے کی ضرورت ہوتی تو اسے سوئے ہوئے لوگوں کے اوپر سے گزر کر جانا پڑتا اور جب وہ واپس آتا تو اس کی جگہ دوسرے لوگ لے چکے ہوتے صبح چھ بجے لاؤڈ اسپیکر پر اعلان ہوتا کہ کچھ دیر میں گنتی شروع ہوگی اور روشنیوں کو جلا دیا جاتا، محافظ دروازوں پر دستک دیتے اور قیدیوں کو جگاتے، ہر قیدی کو جاگ کر اپنی چیزیں سمیٹنی اور ترتیب دینی پڑتی تھی اور گنتی کے انتظار میں بیٹھنا پڑتا

تھا، اگر کوئی قیدی دیر سے جاگتا اور اس کے ساتھی اسے نہ جگاتے تو محافظ دروازہ کھول کر اندر آتے اور اسے بے دردی سے مارنے لگتے، بہت سارے محافظ ایک افسر کی قیادت میں آتے، وہ قیدیوں کی گنتی کرتے، قیدیوں کو دو قطاروں میں کھڑا ہونا پڑتا تھا، محافظوں کے پاس لاٹھیاں ہوتی تھیں، ہیلمیٹ پہنے ہوتے تھے اور ان میں سے ایک کے پاس آنسو گیس کا گن بھی ہوتا تھا، وہ کمرے کمرے جا کر قیدیوں کی گنتی کرتے اور پھر دوسرے سیکشنز کی گنتی کے لیے نکل جاتے، آخر میں لاؤڈ اسپیکر سے گنتی ختم ہونے کا اعلان ہوتا، جس کے بعد قیدیوں کو افطار کے لیے کھانا پیش کیا جاتا، یہ عام طور پر دو یا تین سلائس بریڈ، تھوڑا سا مکھن وغیرہ ہوتا تھا، کبھی کبھار اس کے ساتھ آدھا ابلا ہوا انڈا بھی ہوتا، اور ایک کپ ایسی چیز ہوتی جو ذائقے اور خوشبو میں چائے جیسی ہوا کرتی تھی، قیدی اپنا کھانا کھاتے جب کہ وہ ایک کے بعد ایک باتھ روم جاتے بھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کوئی قیدی بیت الخلا کے لیے مجبور ہوتا اور اس کے پیٹ میں درد ہو رہا ہوتا اور وہ اپنے ساتھی سے بار بار درخواست کر رہا ہوتا کہ جلدی باہر آ جائے کیونکہ اس کی حالت بگڑ رہی ہے۔

پہرے دار ایک ایک کر کے کمروں میں آتے تاکہ قیدیوں کو دو دو کمروں کے حساب سے (فورہ) نامی صحن میں لے جائیں، یہ ایک ایسی جگہ ہے جو اونچی دیواروں سے گھری ہوئی تھی، جس کی چھت پر خاردار تاریں تھی، اور اس کا رقبہ تقریباً ایک سو بیس مربع میٹر تھا، قیدی ایک ایک کر کے اپنے ہاتھ پیچھے باندھے اور سر جھکائے ہوئے صحن میں جاتے، وہاں پہرے دار لاٹھیوں کے ساتھ کھڑے ہوتے اور قیدی حلقے کی شکل میں چلنے لگتے جو بھی اپنا منہ کھول کر کسی ساتھی سے بات کرتا، یا پیچھے رہتا یا آگے بڑھتا تو اسے لاٹھیوں ٹھوکروں اور

تھپڑوں سے مارا جاتا، قیدی اس حالت میں ایک گھنٹہ یا اس سے کم وقت تک گھومتے، پھر واپس اپنے کمروں میں چلے جاتے، ہر قیدی کو اپنی تہہ کی ہوئی کمبل پر بیٹھنا ہوتا، اور انہیں گروپوں یا حلقوں میں بیٹھنے یا بات چیت کرنے کی اجازت نہیں تھی، اگر وہ ایسا کرتے تو پہرے دار کمرے میں گھس کر انہیں مارتے اور بسا اوقات کچھ کو سزا کے سیل جنہیں (سنوکات) کہا جاتا ہے، میں لے جاتے تھے۔

دوپہر کی گنتی کے بعد دوپہر کے کھانے کا اعلان ہوتا، جو کچھ سلائس بریڈ اور سبزیوں کا شوربہ ہوتا کبھی کبھار اس میں کچھ سبزیاں جیسے گاجر اور کبھی کبھی یہ صرف گرم پانی ہوتا جس میں نمک کا ذائقہ ہوتا کبھی کبھار میشڈ آلو، چاول یا بینگن کے ٹکڑے آتے، قیدی جو بھی پاتے اسے بمشکل ہی چھوتے، کچھ قیدی برتن دھوتے اور دوسرے دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھتے، نیند کے مارے ان کی پلکیں بھاری ہونے لگتی، اگر کوئی پہرے دار، جو کمروں کے سامنے راہداری میں چکر لگا تا رہتا، انہیں سوتے ہوئے دیکھ لیتا تو زور سے چلاتا تا کہ وہ نہ سوئیں، کیونکہ سونے کی صرف رات میں اجازت تھی۔

گھنٹے بوجھل گزرتے تھے جب تک کہ رات کا کھانا نہ آجائے، جو پلیٹ میں بمشکل نظر آتا، قیدی شام پانچ بجے کے قریب کھانا کھاتے، پھر غروب آفتاب کا انتظار کرتے، غروب آفتاب کے ایک یا ڈیڑھ گھنٹے بعد اور شام کی گنتی اسی طرح کرنے کے بعد، پہریدار روشنی بند کر دیتے اور قیدی ایک دوسرے کے قریب سوجانے کی تیاری میں لیٹ جاتے، پہریدار ہمیشہ کمروں کی نگرانی کرتا اور اس کے جوتوں کی آواز زمین پر گونجتی، جیسے کہ وہ انہیں رات میں بھی سونے کی اجازت نہ دینا چاہتا ہو۔ (جاری ہے......)

المصباح

4

میری ماں... میری جنت

”ہو سکے تو تمھارے چہرے کی وہ میٹھی مسکراہٹ واپس لا سکوں ماں!“

میں تمہارا بدقسمت بیٹا ہوں، میں نے تمہیں بہت دکھ دیے ہیں ماں اور بہت رلایا ہے! تمہاری ماما کے بچپن سے لے کر بڑھاپے تک میری وجہ سے تمہاری آنکھوں سے بہت سے آنسو گرے ہیں! تمہاری آہیں میری وجہ سے بار بار لمبی ہوتی گئی ہیں! شرمندگی اور پچھتاوے کے ساتھ کچھ باتیں تو مجھے بھی یاد آتی ہیں، اور بہت سی باتیں یاد بھی نہیں آتیں۔لیکن زندگی کے دوسرے پار جانے سے پہلے، موت کی کٹھن تکلیف کے وقت، جس کا نام سکرات الموت ہے، تب کم از کم کلمہ نصیب ہونے کے لیے بھی تمہاری معافی اور تمہاری درگزر سے بھری

ایک مسکراہٹ کی مجھے بہت ضرورت ہے ماں!

تم تو ایک بہت بڑے عالم کی بیٹی ہو ماں! وہ حدیث تو میں نے تمہارے ہی منہ سے کئی بار سنی ہے ماں!!

وہ جو اللہ کے نبی ﷺ سے ایک ماں نے گود میں بچہ لیے پوچھا تھا، ماضی بعید کے نورانی دور کی ایک ماں! بالکل تمہاری طرح کی ایک ماں؛ جیسے میں تمہاری گود میں تھا! تب شاید تم بھی اللہ کے نبی ﷺ سے اپنے بچے کو گود میں لیے یہی سوال کرتیں، کیونکہ ماں تو ہمیشہ کی ماں ہوتی ہے! دودھ پلانے والی ماں! ممتا کی ماں!!

مامتا کا کوئی ملک نہیں، کوئی زمانہ نہیں، یہاں تک کہ مامتا کا کوئی (الگ) مذہب بھی نہیں۔ مامتا خود ایک مذہب ہے! خالق کی عظیم (بے پناہ) رحمت کی صورت اختیار کر کے آسمان سے اترا ہوا مذہب، جس کا نام ماں اور مامتا ہے!!

نورانی دور کی اس ماں نے نورانی نبی ﷺ سے پوچھا تھا، اے اللہ کے نبی ﷺ، میں اپنے بچے سے جیسی محبت کرتی ہوں، کیا اللہ بھی اپنے بندے سے ویسی ہی محبت کرتا ہے؟

اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا تھا، اس سے کہیں زیادہ، بہت زیادہ اللہ"...(اپنے بندے سے محبت کرتا ہے)---

وہ اپنے بندوں سے محبت کرتا ہے۔

نور کے دور کی اس ممتا بھری ماں کے بھی دو پاک قدم تھے، جیسے تمہارے دو قدم ہیں! ماضیِ بعید کی اس ممتا بھری ماں کے پاک قدموں کے لیے آج کے اس بدنصیب بیٹے کی طرف سے سلام! ہمارے جیسے بدنصیب بیٹوں کے لیے وہ کتنی بڑی تسلی کا انتظام کر کے گئی ہیں! ماں، میں نے تمہارے ہی منہ سے اس ماں کی بات سنی ہے!

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاک کلام سے اس ممتا بھری ماں نے اسی جواب کی امید کی تھی۔ اب اس نے کہا، میں تو اپنے بچے کو آگ میں نہیں جلا سکتی، تو پھر اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو جہنم کی آگ میں کیسے جلائیں گے!

ماں کی ممتا کی ایسی ہی طاقت ہے! ایسی ہی تپش اور حدت ہے! اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس ماں کی بات پر، اس بات کی تپش اور حدت سے رو پڑے تھے! ان کی آنکھوں سے زار و قطار آنسو بہہ رہے تھے! تم مائیں کیا کچھ نہیں کر سکتیں ماں! اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو تک بہا سکتی ہو! تو پھر ایک بدنصیب بیٹے کے لیے رحمٰن کی تھوڑی سی رحمت، رحیم کی تھوڑی سی کرم نوازی کیوں نہیں لا سکتیں ماں! رحیم تو تمہاری ہی ممتا کی مثال دے کر اپنی رحمت کی وسعت ہمیں سمجھانا چاہتے ہیں ماں!!

مجھے معاف کر دو ماں! میرے لیے رحیم سے تھوڑی رحمت کی دعا کرو ماں!! تمہاری ممتا کی دہائی ماں! تمہارے سینے کے اس دودھ کے قطروں کی دہائی ماں! وہ دودھ جس کے بارے میں میرا یقین ہے کہ وہ جنت کی دودھ کی نہروں سے ہی نکلا ہے ماں!

ہر چیز کے بعد کم از کم ایک وجہ سے میں تمہاری معافی اور درگزر روالی مسکراہٹ پا سکتا ہوں ماں! میری پیدائش سے پہلے تم اور... والد کیا تھے ماں! ایک بہت ہی سادہ سے جوان مرد اور عورت! میاں بیوی کا ایک جوڑا! آپ کی گود روشن کرتے ہوئے میں نے، آپ کی پہلی اولاد کی حیثیت سے، آپ کو ممتا کی عظمت عطا کی ماں! آپ کے شوہر کو باپ ہونے کا اعزاز بخشا! کیا میں آپ کی زندگی میں محض ایک معمولی سی اولاد ہوں ماں! میرے ذریعے ملنے والی آپ کی اس ممتا کی دہائی ہے، مجھے معاف کر دیں ماں! جب موت کے وقت آنکھوں کے تاروں میں اندھیرا چھا جائے، تب بھی، اور جب حشر کے دن میزان کے سامنے کھڑا ہوں، تب بھی میں اپنے مولا سے یہ کہہ سکوں ماں، کہ اے میرے مولا، میں تیرے پاس اپنی ماں کی معافی اور اس کی درگزر روالی مسکراہٹ کا نور لے کر آیا ہوں!

کاش میں یہ بھی کہہ سکوں، اے رحمٰن! مجھے میری ماں کے پاس لے جا! انہیں اور جن سے وہ محبت کرتی ہیں، ان سب کو جنت کا راستہ دکھا دے اے رحیم!!

❊⋯⋯❊⋯⋯❊

ماں، شاید یہ سب میرے زخمی دل کا بے بس رونا ہے! ایک لاچار التجا ہے! خیر، یہ رونا اور یہ التجا دل کے کونے میں ہی رہنے دیں! اب میں اپنے مہربان اللہ کی پناہ لیتا ہوں! اب میں اپنے اس مہربان اللہ کے حضور عرض کرتا ہوں، جو تمام تر ممتا کا مرکز ہے!

اے اللہ، میری طرف سے تو میری ماں کو خوش کر دے اے اللہ! تیرے ہی پاک کلام میں تیری ہی سکھائی ہوئی اس دائمی دعا اور مناجات کا واسطہ ہے اے اللہ!

رَّبِّ ارۡحَمۡهُمَا كَمَا رَبَّیٰانِیۡ صَغِیۡرًا

اے میرے رب، ان دونوں پر رحم فرما جس طرح انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی!

(نوٹ: میری روح اور جان کا تعلق میرے ابا سے اس وقت ہوتا ہے جب بھی میں اپنے مولا کی سکھائی ہوئی یہ دعا پڑھتا ہوں

رَبِّ ارۡحَمۡهُمَا كَمَا رَبَّیٰانِیۡ صَغِیۡراً

(اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی)

اور جب بھی میں اپنے والد کے لیے کسی نیک عمل کا تحفہ بھیجتا ہوں۔تم بھی اپنی امی یا ابا کے لیے ایسی تسلی بخش سوچ رکھ سکتے ہو۔اور تم ایک ولدِ صالح (نیک اولاد) بننے کی کوشش کر سکتے ہو، تاکہ قبر میں بھی تمہاری امی یا ابا کو نیک اعمال کا سلسلہ پہنچتا رہے، جیسا کہ حدیث کے بیان میں آیا ہے۔)

"اب تو تم خوش ہو نا ماں! اب تمہارے چہرے پر مسکراہٹ کھل اٹھی ہے ماں!!

تو اب کیا میں ایک بات پوچھ سکتا ہوں ماں؟

تنہا زندگی کی اس دھوپ، چھاؤں میں کھڑے ہو کر کیا تمہیں والد یاد آتے ہیں ماں!

تمہارے والد کو!

میرے والد کو!!

دیکھوتو، کیسی خوبصورت جنتی مسکراہٹ تمہارے چہرے پر آئی ہے ماں!

تمہارے بچپن کی وہ مسکراہٹ بھی کیا اتنی ہی خوبصورت تھی ماں! بلکہ اس سے بھی زیادہ خوبصورت!

والد کے پاس یہ مسکراہٹ اپنے ساتھ لے جانا ماں! اور کہنا،

’سعیدی! آپ کی پہلی اولاد، ہمارے پیارے ’ابوُ‘ نے رخصتی سے پہلے یہ مسکراہٹ میرے ہونٹوں پر سجائی ہے، آپ کو تحفہ دینے کے لیے!!

آپ کی قبر کے پاس میری قبر کی جگہ (آخری آرام گاہ) کے لیے اس نے بہت تکلیف اٹھائی ہے۔ اسی لیے تو آپ کی قبر کے پاس میری...!

یہ دیکھو قبر کی گیلی مٹی، یہ اسی کے آنسو ہیں!

میں بھی اپنے ساتھ دو قطرے لے آئی ہوں، آپ کے لیے!!‘"

"پیارے قاری! مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے، تمہارے ساتھ آج کی اس چاندنی رات میں بہت ہی خوبصورت وقت گزار رہا ہوں۔ اور بھی زیادہ اچھا لگ رہا ہے کہ اپنی ماں کے لیے وقف اپنے قلم کے ایک دوار گھیا (نذرانے) تمہارے سامنے پیش کر سکا ہوں۔ کیا تمہیں بھی تھوڑا سا اچھا نہیں لگ رہا؟"

یہاں میں میری ماں، میری جنت! کے عنوان سے کچھ باتیں لکھنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ فکر کی پاکیزگی، دل کی نرمی اور روح کی سفیدی (پاکیزگی) کے ساتھ اسے پڑھ سکیں، تو مجھے امید ہے کہ یہ تحریر آپ کی ماں، آپ کی جنت بن سکتی ہے؛ ایسی ہی نیک تمنائیں آپ کو

تحفے میں دے کر میں آج کے لیے رخصت لیتا ہوں۔ اللہ کے نام کے ساتھ آپ پڑھنا شروع کریں...!

میری ماں! اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے وہ اب بھی ہمارے لیے ممتا کا ٹھنڈا سایہ بن کر زندہ ہیں۔ اللہ انہیں خوشی اور راحت کے ساتھ، امن وسکون کے ساتھ حیاتِ طیبہ اور پرسکون زندگی عطا فرمائے، آمین!

بات طویل ہوگئی، دراصل یہ موضوع میرے لیے بہت حساس ہے۔ اس بارے میں میرے قارئین مجھ سے اختلاف کر سکتے ہیں، لیکن اگر وہ اعتراض کریں گے تو مجھے دکھ ہوگا۔

***

جن کی مائیں اس دنیا میں حیات نہیں ہیں، ان کی تسلی کے لیے کہہ رہا ہوں، میرے والد بھی اس دنیا میں حیات نہیں ہیں، لیکن میرا ایمان ہے کہ میرے والد آخرت کی زندگی میں زندہ ہیں اور ان شاء اللہ بہترین حالت میں ہیں۔

ایک نظم کی بات اب بہت زیادہ یاد آرہی ہے! میں نے شاعر کو دیکھا نہیں، صرف ان کی نظم سنی ہے۔ اپنی ماں کے لیے لکھی گئی شاعر کی یہ نظم کیا دنیا کی تمام ماؤں کے لیے نہیں ہو سکتی!!! چین دیش (انجان ملک) کے شاعر نے کتنا خوبصورت کہا ہے:

"یہ پھول گویا شجرِ حیات کی شاخ پر تر وتازہ رہے،
بہار آئے اور جائے! یہ پھول گویا مرجھا نہ جائے
میٹھے سروں میں بلبل گویا گیت گاتی رہے

درد بھری آواز میں کوئل گویا پکارتی رہے!!"

شاعر کا دل کتنا خوبصورت ہے! ماں کے تئیں شاعر کے جذبات کتنے نرم ہیں! شاعر کی زندگی اگر ایک درخت ہے، اور اس درخت کی شاخ پر اگر صرف ایک ہی پھول ہو، تو وہ پھول شاعر کی ممتا بھری ماں ہے! شاعر کے دل کی تڑپ کتنی دلگداز ہے! قدرت کے اصول کے مطابق بہار کچھ وقت کے لیے آئے گی اور پھر چلی جائے گی، نیا موسم آئے گا، درخت کے پتے شاید جھڑ جائیں گے، لیکن ماں گویا میری زندگی کے درخت کی شاخ پر ہمیشہ زندہ رہیں، ایک تازہ پھول کی صورت میں، شبنم سے نہائے ہوئے، مکمل شادابی کے ساتھ۔

جب بہار چلی جاتی ہے، باغ میں بلبل کا گیت تھم جاتا ہے! کوئل کی پکار پھر سنائی نہیں دیتی۔ قدرت کے لیے یہ سچ ہے۔ لیکن ماں اگر میری زندگی کے چمن کی بلبل یا کوئل ہوں۔۔۔

(جاری ہے)

3

اُم حبیب

اولاد کو بگڑنے سے کیسے بچائیں

یاد رکھیے! بچپن میں بچوں کو جو تعلیم دے دی جائے اس کے اثرات بڑے گہرے ہوتے ہیں۔ ابتدائی تعلیم بچے کو خاص نظریات دیتی ہے ایک ایسا آئینہ فراہم کرتی ہے جس میں سے وہ دوسروں کو دیکھتا اور اس کے مطابق سوچتا ہے۔ اس وقت ایک مسلمان کیلئے اس میں اسلامی فکر پیدا کرنا ضروری ہوتا ہے اور اس فکر اور روح اسلامی کو دینی تعلیم بیدار کرتی ہے۔ اس لئے کہ تعلیم اپنے مذہب، تہذیب وتمدن اور روایات ونظریات کی علمبردار ہوتی ہے۔ اسلامی تعلیم کو بچے کے ذہن میں رکھ دینے کا مطلب ہے پوری مسلم قوم کے نظریات اور ثقافت کو رکھ دینا، ایسے ہی مغربی تعلیم کو بچے کے ذہن میں رکھ دینے کا

مطلب ہے مغربی تہذیب اور عیسائی نظریات وخیالات کا پلندہ اس کے ذہن میں رکھ دینا اور ایسی تعلیم کو پردہ ذہن پر نقش کرنے کا کام تعلیمی ادارے کرتے ہیں جیسا ادارہ ہوگا ویسا ہی ماحول ہوگا جیسے اساتذہ ہوں گے ویسی ہی تربیت ہوگی۔

اس لئے ایک مسلمان باپ پر اولاد کا حق ہے کہ اگر اسے اللہ نے اولاد سے نوازا ہے تو اسے اسلامی شعور دلانے کیلئے ایسے سکول یا مدرسہ کا انتخاب کرے جہاں کا ماحول دینی ہو مغربی نہ ہو وہاں کے اساتذہ باکردار مسلمان ہوں غیر مسلم نہ ہوں محض انگریزی تعلیم دلوانے کیلئے بچوں کو عیسائی تعلیم گاہوں میں داخل نہ کروائیں ضروری نہیں ہے کہ انگریزی زبان صرف عیسائی مدارس سے ہی سیکھی جائے اس کے سیکھنے کی اور بھی صورتیں ہوسکتی ہیں جن میں دینی روایات پامال نہیں ہوتیں۔

اسی طرح جو باپ اپنے بیٹے کو یہ اجازت دیتا ہے کہ وہ جن مادہ پرستوں کی کتابوں کا چاہے مطالعہ کرے اور عیسائیوں اور استعمار پسندوں نے اسلام پر جو اعتراضات کئے ہیں ان میں جس کا چاہے مطالعہ کرے تو ایسا بچہ ناپختہ ذہن ہونے کی وجہ سے دین وعقیدہ کے بارے میں شکوک وشبہات کا شکار ہوجائے گا اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ وہ اپنی تاریخ اور بزرگوں کا مذاق اڑانے لگے گا اور اسلام کے بنیادی اصولوں کے خلاف جنگ کرے گا اس طرح والدین کی ذراسی غفلت نے ایک تو مسلمان گھر میں اسلام کا باغی تیار کردیا اور دوسرا اس مسلمان بچے کو جس کی تربیت کی ذمہ داری اللہ رب العزت نے اس پر عائد کی تھی اسے گمراہ وبے دین کردیا ایسے والدین کسی شک وشبہ میں نہ رہیں قیامت کے دن ان سے اس

بات کا مواخذہ ہوگا۔

ابتدائی عمر میں بچوں کو اسلام دشمن کتابیں پڑھنے سے روکیں اور اس تشنگی کو اسلامی کتابیں فراہم کر کے دور کر دیں مثلاً دس سال تک کی عمر کے بچوں کو واقعات اور تجسس والی چیزیں پڑھنے کا شوق ہوتا ہے اس شوق کو پورا کرنے کیلئے وہ بازار سے جھوٹ پر مبنی خوفناک کہانیاں اور بھوت پریت کے قصے خرید کر پڑھتے ہیں جس سے ان کے ننھے ذہن پر بعض انجانی چیزوں کا خوف ہمیشہ کیلئے اثر انداز ہوجاتا ہے اور وہ بزدل ہوجاتے ہیں ان کے اس شوق کو پورا کرنے کیلئے انہیں انبیاء علیہم السلام کے واقعات پر مبنی کتابیں لا کر دیں صحابہ کرام کی سیرت پر لکھی جانے والی کتابیں انہیں فراہم کریں دس سے پندرہ سال کے بچوں کو مسلم جرنیلوں کے حالات اور جنگی کارناموں پر مبنی کتابیں فراہم کریں اس سے ان کے دل میں اسلام کی بے پناہ محبت اور عظمت رفتہ کو حاصل کرنے کی امنگ پیدا ہوگی وہ تاریخ کی ان شخصیات کو دیکھ کر اپنا راستہ متعین کرنے کی کوشش کریں گے۔بیس سال کی عمر میں ذہن میں کچھ پختگی آجاتی ہے بچہ دقیق مسائل کو بھی سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اس عمر میں انہیں عقائد ایمانیات اور احکام و مسائل پر مبنی کتابیں فراہم کریں اور وقتاً فوقتاً ان سے متعلق مسائل بھی پوچھتے رہیں نصابی تعلیم کے ساتھ یہ غیر نصابی چیزیں بچے کے ایمان و عمل کو جلا بخشیں گی اور ان کے عقیدہ کو پختہ اور قوی کر دیں گی۔اس کے ساتھ ساتھ انہیں کبھی کبھار جب موقع ملے تو پند و نصائح سے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تعلیم دیتے رہیں اور حقوق اللہ کی پاسداری میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان کس قدر بہترین ہے امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عباس

رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا مجھے ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"صاحبزادے میں تمہیں چند باتیں بتلاتا ہوں تم اللہ کے حقوق کی حفاظت کرو اللہ تمہاری حفاظت کرے گا تم حقوق اللہ کا خیال رکھو اللہ کو اپنے سامنے پاؤ گے اور جب مانگو تو صرف اللہ ہی سے مانگو اور جب مدد طلب کرو تو صرف اللہ سے ہی مدد طلب کرو اور اس بات کو جان لو کہ اگر تمام مخلوق بھی تمہیں فائدہ پہنچانا چاہے تو تمہیں صرف وہی فائدہ پہنچا سکتی ہے جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے اور اگر سب مل کر بھی تمہیں کچھ نقصان پہنچانا چاہیں تو تمہیں اتنا ہی نقصان پہنچا سکتے ہیں جتنا اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے قلم اٹھا لیے گئے اور صحیفے خشک ہو گئے۔" صحیح ترمذی کتاب صفة القیامة والرفائق باب ماجاء فی صفة اوانی الحوض منه آخر الکتاب تخریج الالبانی رحمه الله۔

والدین کو چاہیے کہ احادیث کے ایسے فرامین اور دلائل و براہین جو اسلام کی حقانیت پر ذہن میں مضبوطی پیدا کرتے ہیں ان کی بچے کو تعلیم دلائیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر والدین خود پڑھے لکھے ہیں تو تب ہی ایسا اہتمام کر سکتے ہیں۔ جبکہ تمام والدین پڑھے لکھے اور دینی مسائل سے واقفیت رکھنے والے نہیں ہوتے اس کا جواب یہ ہے کہ والدین پہلے تو ایسے ادارہ کی تلاش اور معلومات حاصل کریں جہاں کا ماحول صاف ستھرا ہو اور دینی تعلیم کا انتظام ہو وہاں انہیں اپنے بچوں کو تعلیم کیلئے داخل کروانا چاہیے اور رہی ساتھ ساتھ ایمانی تربیت تو اس کیلئے اپنے کسی اہل علم دوست سے اس بارے صلاح و مشورہ کرتا رہے جو دینی علوم میں دسترس رکھتا ہو۔ اور دیکھئے! خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے بیٹے کی تربیت میں

معلم سے کیا درخواست کی خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے بیٹے کو معلم کے سپرد کرتے ہوئے کہا:

اے احمر! خلیفہ نے تجھے اپنی سب سے قیمتی پونجی اپنے دل کے چین و آرام کو حوالے کیا ہے لہٰذا اپنی شفقت کا ہاتھ اس پر دراز رکھ اسے قرآن پڑھا تاریخ کے واقعات سنا اشعار یاد کرا، سنت نبوی سے آشنا کر، اس میں دینی بصیرت پیدا کر، تاکہ وہ اچھے کام کو پرکھ سکے اسے خاص اوقات میں ہنسنے سے منع کر، اسے تعلیم دے کہ جب بنو ہاشم اس کے پاس آئیں تو ان کا احترام کرے اس کے ساتھ کوئی بھی ایسی گھڑی نہ گزار جو اس کیلئے سود مند نہ ہو لیکن اسے رنجیدہ نہ کر کہ اس کا ذہن مر جائے اس کی غلطیوں کو نظر انداز نہ کر ورنہ وہ اس کا عادی ہو جائے گا نرمی اور محبت سے اسے راہ راست پر لا، اگر وہ تیرا کہا نہ مانے تو سختی کر۔

--

اور بچے کہانیاں سننے کے بڑے شائق ہوتے ہیں اکثر رات کو سوتے وقت ایسی فرمائش کر دیتے ہیں اس سلسلہ میں بچوں کو نبیوں کے قصے صالحین کی کہانیاں اور صحابہ کرام کے مجاہدانہ کارنامے ضرور سناتے رہیں تربیت و تہذیب کردار سازی اور دین سے محبت کیلئے اس کو انتہائی ضروری سمجھئے اور ہزار مصروفیتوں کے باوجود اس کیلئے وقت نکالئے اور ان ساری باتوں کے علاوہ ایک نہایت اہم چیز یہ ہے کہ آپ بچے کیلئے خود ایک نمونہ بن جائیں۔ بچہ والدین سے ضرور اثر قبول کرتا ہے اگر آپ بچوں کو نماز پڑھنے کا کہیں گے اور خود نماز نہیں پڑھیں گے تو بچے سمجھیں گے شاید نماز پڑھنا کوئی اتنا اہم کام نہیں ہے بچوں کو ساتھ لے کر

مسجد میں جائیں خود بھی نماز پڑھیں اور انہیں صحیح طرح نماز پڑھنا سکھائیں۔ یاد رکھیے! نیک اولاد جس کی تربیت میں آپ نے وقت صرف کیا ایسے بچے دنیا میں بھی احترام کریں گے بڑھاپے میں آپ کے لیے سہارا اور عصا بنیں گے اور آپ کی وفات کے بعد آپ کیلئے صدقہ جاریہ بن جائیں گے وگرنہ مرنے کو تو اس دنیا میں نیک و بد سبھی مرتے ہیں سبھی کا اثاثہ بعد میں تقسیم ہوتا ہے ہاں

کوئی مرے تو پوچھ کہ کیا لے گیا وہ ساتھ
بالکل فضول بحث ہے وہ چھوڑ کیا گیا

اللہ رب العزت سے دعا ہے اسے اللہ رحیم و کریم! ہماری اولادوں کو نیک بنا اور ہمیں ان کی صحیح ایمانی تربیت کرنے کی توفیق عطا فرما۔

اخلاقی تربیت کا مطلب ہے کہ بچے میں ایک کھرے اور باکردار آدمی کے تمام اوصاف پیدا کر دیے جائیں اسلام نے معاشرتی اور سماجی اعتبار سے جن افراد کا مطالبہ کیا ہے بچے کی شخصی تربیت اسی معیار اور کسوٹی پر کر دی جائے تاکہ وہ اسلام کے اخلاق حمیدہ کو لے کر زندگی کے میدان میں داخل ہو۔

اور اخلاقیات کا زیادہ تعلق حقوق العباد سے ہے کہ انسان اپنے دوستوں بھائیوں رشتہ داروں اور عام لوگوں سے کس طرح اچھا برتاؤ کرے چنانچہ والدین بچپن سے ہی بچوں کو سچائی، امانت، استقامت، ایثار، مصیبت زدہ لوگوں کی فریاد رسی، بڑوں کا احترام مہمانوں کا احترام، پڑوسیوں کے ساتھ احسان اور دوسروں کے ساتھ محبت سے پیش آنے کا

عادی بنائیں ان کی زبان کو گالی گلوچ، برا بھلا کہنے، گندے کلمات منہ سے نکالنے اور ان تمام چیزوں سے دور رکھیں جو اخلاق کی خرابی اور بری تربیت پر دلالت کرتی ہیں اسی طرح انہیں اعلی انسانی احساسات اور بہترین شعور و جذبات کا عادی بنائیں مثلا یتیموں کے ساتھ احسان کرنا فقراء کے ساتھ نیک سلوک اور مصیبت زدوں سے ہمدردی کرنا یہ ساری چیزیں بچوں میں کیسے پیدا ہوں گی ذیل میں ہم متفقہ طور پر اس کا تذکرہ کرتے ہیں:

سچ بولنے کی تربیت:

بچے کو سچ بولنے کی تربیت دی جائے اسکی بہتر صورت یہ ہے کہ اسے سچ کی اچھائیوں اور فوائد سے آگاہی دلائیں جھوٹ کی قباحتیں اور نقصانات بیان کریں سچ بولنے والے لوگوں کے واقعات سنائیں سچ بولنا انکی نظر میں ایسا عمل بنا دیں کہ وہ سچ بولتے ہوئے فخر محسوس کریں۔

یاد رکھیے! دھوکہ فراڈ دوسروں کی حق تلفی اور بے انصافی جیسے تمام گندے امراض جھوٹ سے ہی جنم لیتے ہیں۔

ماں کی گود اور گھریلو ماحول بچے کیلئے پہلی عظیم درسگاہ ہوتی ہے جس کے اثرات عمر بھر قائم رہتے ہیں اسلئے بچپن میں بچوں کو جھوٹے وعدوں سے مت بہلائیے وگرنہ وہ خود بھی جھوٹ کے عادی بن جائیں گے اس ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث کو سامنے رکھیں:

حضرت عبداللہ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میری والدہ نے مجھے پکارا اس

وقت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر میں موجود تھے۔ میری والدہ نے کہا بیٹا آؤ میں تمہیں کوئی چیز دیتی ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم اس کو کیا دینا چاہتی ہو انہوں نے کہا کہ میں اسے کھجور دینا چاہتی ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”سن لو! اگر تم اسے کچھ بھی نہ دیتیں تو تمہارے لیے ایک جھوٹ لکھ دیا جاتا۔“

حسن الصحبحة 748 صحیح ابو داؤد کتاب الادب باب الشدید فی الکذب

سچ کی تربیت کیلئے بچوں کو جھوٹ سے بچنے پر کوئی چھوٹے موٹے انعامات دیتے رہیں اس سے ان کی حوصلہ افزائی ہو گی۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے بچپن کے حالات میں لکھا ہے کہ جب وہ تحصیل علم کیلئے بغداد کی جانب نکلے تو ان کی والدہ نے ان کے اخراجات کیلئے چالیس دینار ان کی قمیص کی اندرونی جانب سی دیئے۔ شیخ جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میری والدہ نے مجھ سے عہد لیا کہ میں ہمیشہ سچ بولوں گا۔ جب ہم ہمدان کی سرزمین میں پہنچے تو ڈاکوؤں کی ایک جماعت نے ہم پر حملہ کر دیا اور قافلہ والوں کو روک لیا تمام قافلہ والوں کے پاس جو کچھ تھا چھیننا شروع کر دیا ان میں سے ایک ڈاکو میرے پاس آیا اور اس نے مجھ سے کہا تمہارے پاس کیا چیز ہے۔ میں نے کہا چالیس دینار وہ یہ سمجھا کہ میں نے اس سے مذاق کیا ہے۔ چنانچہ وہ مجھے چھوڑ کر آگے بڑھ گیا ان میں سے ایک دوسرے نے مجھے دیکھا تو مجھ سے پوچھا تمہارے پاس کیا ہے؟ تو میرے پاس جو کچھ تھا وہ میں نے اسے بتا دیا چنانچہ وہ مجھے پکڑ کر اپنے سردار کے پاس لے گئے اور اس نے مجھ سے یہی بات پوچھی؟ میں نے اسے بتلا دیا کہ میرے پاس چالیس دینار ہیں۔ سردار نے کہا وہ دینار کہاں

ہیں؟ میں نے کہا میری قمیص کی اندرونی جانب میری والدہ نے رخصت کرتے ہوئے سی دیے تھے اور وہ نکال کر میں نے ان کے سامنے رکھ دیے وہ حیران ہوئے اور کہنے لگے تم نے انہیں چھپانے کیلئے جھوٹ کیوں نہیں بولا تمہیں سچ بولنے پر کس چیز نے مجبور کیا ہے؟ میں نے کہا کہ میں نے اپنی والدہ سے سچ بولنے کا عہد کیا تھا اس لئے مجھے ڈر تھا کہ میں عہد کی خلاف ورزی نہ کر بیٹھوں یہ سن کر چوروں کے سردار پر خوف طاری ہو گیا اور وہ چیخنے لگا اس نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور کہا تم تو اپنی والدہ سے کئے ہوئے عہد کو توڑنا نہیں چاہتے اور میں اللہ سے کئے ہوئے عہد میں خیانت کرنے سے بھی نہیں ڈرتا اور پھر اس قافلہ کا لوٹا ہوا سارا مال واپس کرنے کا حکم دے دیا اور کہا: میں آپ کے ہاتھ پر توبہ کرتا ہوں یہ دیکھ کر اس کے ساتھیوں نے کہا چوری کرنے اور ڈاکہ زنی میں آپ ہمارے سردار تھے اور آج توبہ کرنے میں بھی آپ ہمارے سردار ہیں۔

ذرا غور فرمایئے! یہ والدہ کی تربیت کا ہی اثر تھا۔ کسی نے کہا تھا: تم مجھے اچھی مائیں دو میں تمہیں بہترین قوم دوں گا۔ عورت کو اللہ نے بہت طاقت دی ہے وہ چاہے تو معاشرے کو سنوار دے وہ چاہے تو معاشرے کو بگاڑ دے۔ عورت کی ذرا سی غفلت اور بچوں سے بے پروائی نسل نو کو برباد کر سکتی ہے۔ اور یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ بچے سزا کی بجائے جزا سے زیادہ تربیت حاصل کرتے ہیں۔ اگر بچہ جھوٹ بولے تو اسے سب کے سامنے مارنے پیٹنے اور زبردستی سچ اگلنے پر مجبور مت کریں بلکہ علیحدگی میں پیار سے سمجھائیں۔ مثلاً بیٹا! آپ کو پتہ ہے جھوٹ بولنا کتنا بڑا گناہ ہے، جھوٹ بولنے والے کا لوگ اعتبار نہیں کرتے وہ سچ

بولے تب بھی اسے جھوٹا ہی سمجھا جاتا ہے اس لئے کہ وہ اپنا معیار گرا چکا ہوتا ہے اور احادیث میں جھوٹ کی جو قباحتیں بیان ہوئیں ہیں وہ بیان کریں، سچائی کے فوائد اور مثالیں دے کر سمجھائیں پھر اس سے وعدہ لیں کہ آئندہ وہ جھوٹ نہیں بولے گا اس کے بعد علیحدگی میں اللہ رب العزت سے اپنے بچے کے حق میں بھلائی کی دعا کیجیے آپ کے اس عمل سے بچے پر اتنا اثر ہوگا کہ اگر کبھی اس کی زبان سے جھوٹ نکل بھی جائے تو وہ اپنے آپ کو اخلاقی مجرم سمجھتے ہوئے ضرور شرمسار ہوگا اس لئے کہ آپ اس کا ضمیر بیدار کر چکے ہیں۔ اگر آپ بچپن میں اسے جھوٹ سے نہیں روکیں گے بلکہ ان کی جھوٹی باتوں سے خوش ہو کے ایسے الفاظ بول دیتے ہیں یہ بچہ تو بڑا ہوشیار ہے یہ صحیح معنوں میں سیاستدان ہے ارے ذہانت تو دیکھو فلاں بات کو کیسے چھپایا ہے۔ یہ ایسی باتیں ہیں جو بچوں کو جھوٹ کا عادی بنا دیتی ہیں اور بچپن کی عادت بڑی پختہ ہوتی ہے جب جھوٹ جسم میں رچ بس جائے تو انسان دنیا و آخرت میں ناکام ہو جاتا ہے۔ اس سارے جرم پر جوابدہ بروز محشر والدین ہوں گے۔ (جاری ہے)

اُم اختر

حسن اخلاق

انسانی زندگی میں حسن اخلاق کو جو اہمیت وعظمت حاصل ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، ہر مذہب کے لوگ ؛ بلکہ دنیا میں بسنے والا ہر انسان اچھے اخلاق و کردار اور اچھے برتاؤ کا قائل ہے اور یقیناً کسی کو بھی اس سے انکار نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ اخلاقی خوبیوں کو حاصل کرنا فطرت انسانی کا اہم تقاضہ ہے؛ بلکہ بنیادی ضروریات میں سے ہے، اس کے بغیر انسان میں انسانیت اور حسن وخوبی نہیں آتی، یہی وہ عظیم اور قابل قدر جوہر ہے جس کے ذریعہ معاشرے میں آپسی بھائی چارہ، اتحاد واتفاق، پیار و

محبت، عفوودرگزر، رفق ونرمی اورتوافق وہم آہنگی پیدا کی جاسکتی ہےاوراسی طاقت کے ذریعہ آپسی اختلاف وانتشار، باہمی چپقلش ورنجش، نفرت وبعد، بڑی سے بڑی عداوت ودشمنی، بغض وکینہ، اور ہرطرح کے تضادات دور کیے جاسکتے ہیں، حسن اخلاق درحقیقت انسان کا زیوراوراس کا حسن وخوبصورتی ہے، اسی کے ذریعہ اجتماعی وانفرادی زندگیوں میں توازن اور ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے اورلوگوں کے دلوں پر فتح حاصل کی جاتی ہے؛ جب کہ بد خلقی اور بدسلوکی سے تمام برائیاں: نفرت وعداوت، اختلاف وانتشار باہمی چپقلش ورنجش وغیرہ جنم لیتی ہیں اوراخلاق سے عاری ہوجانے کے بعد انسان لوگوں کی نظر میں عیب دار ہوجاتا ہے، اس کے پاس کوئی قابل قدرشی اورکوئی ایسی امتیازی صفت باقی نہیں رہتی جو اسے دیگر مخلوقات سے ممتاز کرے۔ گویا حسن اخلاق اورحسن سلوک انسانی زندگی کا قیمتی سرمایہ اور عظیم اثاثہ ہے۔

حسن اخلاق کا معنی اوراس کی حقیقت

آج کل لوگوں نے حسن اخلاق کے مفہوم کو بہت محدوداور خاص کردیا ہےاوروہ اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ حسن اخلاق کا مطلب صرف لوگوں سے خندہ پیشانی اور بشاشت کے ساتھ ملنا، مہربانی اورشفقت کا معاملہ کرنا، مسکرا کر بات کرلینااور ہمدردی کے الفاظ کہہ دینا ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اخلاق کا مفہوم بہت وسیع ہے اوراپنے اندر پوری انسانی زندگی کوسمیٹے ہوئے ہے، وہ صرف مذکورہ چیزوں ہی کوشامل نہیں ہے؛ بلکہ اس کے بہت سے شعبے ہیں: شیریں ومیٹھے بول، عفوودرگزر، رفق ونرمی، شفقت ومہربانی، انس ومحبت، اکرام و

اعزاز، حلم و بردباری، حیا و شرم، وسعت ظرفی وسخاوت، صلہ رحمی و حاجت روائی، تعاون و امداد، صبر و شکر، متانت وسنجیدگی، عدل و انصاف، امانت و دیانت، ماں باپ، بھائی بہن، عزیز و اقارب، بیوی بچے، یتیموں مسکینوں، پڑوسی، مسلمان اور غیر مسلم حتی کہ جانوروں اور پرندوں کے ساتھ بھی حسن سلوک وحسن معاملہ وغیرہ، یہ تمام حسن اخلاق کے شعبے ہیں جن کی شریعت مطہرہ میں تعلیم دی گئی ہے اور ان تمام شعبوں میں اچھا رویہ اختیار کرنے والا ہی اچھے اخلاق کا حامل اور اس عظیم صفت سے متصف کہلانے کا مستحق ہوگا۔ شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اخلاق کے مفہوم میں وسعت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

آج کل عرفِ عام میں "اخلاق" کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ آدمی دوسرے سے خندہ پیشانی سے پیش آئے، مسکرا کر اس سے ملے اور نرمی سے بات کر لے، ہمدردی کے الفاظ اس سے کہہ دے، بس اسی کو اخلاق سمجھا جاتا ہے۔ خوب سمجھ لیجیے کہ شریعت کی نظر میں "اخلاق" کا مفہوم بہت وسیع اور عام ہے، اس مفہوم میں بیشک یہ باتیں بھی داخل ہیں کہ جب انسان دوسرے سے ملے تو خندہ پیشانی سے ملے، اظہار محبت کرے اور اس کے چہرے پر ملاقات کے وقت بشاشت ہو، نرمی کے ساتھ گفتگو کرے؛ لیکن "اخلاق" صرف اس طرز عمل میں منحصر نہیں ہے؛ بلکہ "اخلاق" درحقیقت دل کی کیفیات کا نام ہے، دل میں جو جذبات اٹھتے ہیں اور جو خواہشات دل میں پیدا ہوتی ہیں، ان کا نام اخلاق ہے۔ پھر اچھے اخلاق کے معنی یہ ہیں کہ انسان کے جذبات میں اچھی اور خوشگوار باتیں پیدا ہوتی ہوں اور برے

اخلاق کے معنی معنی یہ ہیں کہ اس کے دل میں خراب جذبات اور غلط خواہشات پیدا ہوتی ہوں۔(اصلاحی خطبات،۱۵/ ۸۵)

حسن اخلاق قرآن کی روشنی میں

اورحسن اخلاق کی قدر و قیمت اس وقت مزید دو چند ہو جاتی ہے جب ہم اسے اسلام اور شریعت کی نظر سے دیکھتے ہیں؛ کیوں کہ قرآن وسنت میں اس کی بڑی اہمیت وارد ہوئی ہے۔

اللہ تبارک وتعالی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اہم صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم:۴)

ترجمہ: اور بیشک آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اخلاق (حسنہ) کے اعلی پیمانے پر ہیں۔(بیان القرآن) اس آیت میں اللہ رب العزت نے دین اسلام، شریعت مطہرہ اور قرآنی تعلیمات کو خلق عظیم فرمایا ہے، گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی ایک ایک آیت کا عملی نمونہ ہیں۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کہ خلق سے مراد دین عظیم ہے کہ اللہ کے نزدیک دین اسلام سے زیادہ کوئی محبوب دین نہیں ہے ۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کہ آپ کا خلق خود قرآن ہے یعنی قرآن کریم جن اعلی اعمال واخلاق کی تعلیم دیتا ہے آپ ان سب کا عملی نمونہ ہیں۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: کہ خلق عظیم سے مراد آداب القرآن ہیں یعنی وہ آداب جو قرآن نے سکھائے ہیں حاصل سب کا تقریباً ایک ہی ہے۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود میں حق تعالی نے تمام ہی اخلاق فاضلہ بدرجہ کمال جمع فرمادیے تھے۔(معارف القرآن،۸/ ۵۳۲)

اسی طرح جب صحابہ رضی اللہ عنہم سے غزوۂ احد میں مقررہ اور متعینہ جگہ چھوڑنے کی جو لغزش صادر ہوئی، جس کی وجہ سے جنگ کی فتح شکست سے بدل گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو روحانی اور جسمانی تکلیف بھی پہنچی اور غم اور صدمہ بھی لاحق ہوا، اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ پر اپنے طبعی اخلاق وعادات اور عفو وکرم کی بنیاد پر کوئی ملامت اور سختی نہیں کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اسی شان کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ

(آل عمران:۱۵۹)

ترجمہ: بعد اس کے خدا ہی کی رحمت کے سبب آپ ان کے ساتھ نرم رہے اور اگر آپ سخت زبان، سخت دل ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے سب منتشر ہو جاتے، سو ان کو معاف کر دیجیے آپ ان کے لیے استغفار کیجیے اور ان سے خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجیے (تاکہ اس سے اور دونا ان کا جی خوش ہو جائے) (بیان القرآن) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حسن اخلاق، عفو ودرگزر اور نرم طبیعت ہونے کی وجہ سے صحابہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور زیادہ محبت اور انسیت ہو گئی۔

اللہ تعالی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ" (الأعراف:۱۹۹)

ترجمہ: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ معافی کو اختیار کیجیے، بھلی باتوں کا حکم کیجیے اور جاہلوں

سے منہ پھیر لیجیے!

اللہ تعالی فرماتے ہیں: "فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ"

(المائدۃ: ۱۳)

ترجمہ: تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کو معاف کیجیے اور درگزر سے کام لیجیے۔ بیشک اللہ تعالی نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اللہ تعالی فرماتے ہیں: "وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا أَلَا تُحِبُّوْنَ أَنْ يَغْفِرَ اللهُ لَكُمْ" (النور: ۲۱)

ترجمہ: اور چاہیے کہ لوگ معاف کریں اور درگزر سے کام لیں، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمھاری مغفرت فرمائے۔

اللہ تعالی فرماتے ہیں: "وَاصْبِرْ عَلٰى مَا أَصَابَكَ إِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُوْرِ" (لقمان: ۱۷)

ترجمہ: اور برداشت کیجیے ان (تکلیفوں) کو جو آپ کو پیش آئیں۔ بیشک یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

اللہ تعالی فرماتے ہیں: "وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ" (آل عمران: ۱۳۴)

ترجمہ: اور غصہ کو پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے اور اللہ تعالی نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

مذکورہ بالا آیات اور اس طرح کی دیگر آیات میں اللہ تعالی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عفو و درگزر کرنے کا حکم فرمایا ہے، صابرین اور کاظمینِ غیض کی تعریف فرمائی ہے اور اسے ہمت کے کاموں میں سے بتایا ہے اور یہ سب حسنِ اخلاق کے مختلف شعبے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محاسن اخلاق

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی اخلاق حسنہ، حسن معاشرت، عمدہ طرز زندگی اور زندگی کے ہر شعبہ میں اچھے برتاو اور حسن سلوک کا عمدہ نمونہ اور عملی پیکر ہے، حتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاق حسنہ کی تعلیم، ترویج و اشاعت اور اس کی دعوت و تبلیغ کو اپنی بعثت کی ذمہ داری قرار دیتے ہوئے فرمایا: "بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ حُسْنَ الأَخْلَاقِ" (الموطا للامام مالک، ص: ۷۰۵) یعنی میری بعثت ہی اس لیے ہوئی ہے کہ میں حیاتِ انسانی میں اخلاقِ حسنہ کے فضائل کی تکمیل کروں اور اسے کمال اور عروج پر پہنچاؤں؛ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو اخلاقِ فاضلانہ و کریمانہ سے متصف اور مزین کرنے کے لیے عملی نمونہ بھی پیش کیا اور مختلف مواقع پر قولی تعلیم بھی دی۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف "احیاء العلوم" میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت سارے محاسن اخلاق کو بڑے ہی عمدہ انداز میں بیان کیا ہے جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ بردبار، سب سے زیادہ بہادر، سب سے زیادہ انصاف پسند، سب سے زیادہ پاکدامن اور سب سے زیادہ سخی تھے؛ یہاں تک کہ کوئی

رات ایسی نہیں آتی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کوئی درہم دینار بچتا ہو (رات آنے سے ہی پہلے سب خرچ کر ڈالتے تھے) اور اگر کبھی کچھ درہم یا دینار بچ جاتا اور اسی حالت میں رات آ جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت تک گھر تشریف نہ لے جاتے جب تک اسے کسی ضرورت مند کو دے کر فارغ نہ ہو جاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنے باحیا تھے کہ اپنی نظریں کسی چہرے پر نہیں جماتے تھے، خود ہی اپنا نعل مبارک سی لیتے، کپڑوں میں پیوند خود ہی لگا لیا کرتے، گھریلو کام کاج میں بیویوں کا تعاون فرماتے، غلام اور آزاد سب کی دعوت قبول فرماتے، ہدیہ قبول فرماتے خواہ دودھ کا ایک گھونٹ ہو یا خرگوش کی ران ہی کیوں نہ ہو، باندیوں اور مسکینوں کی حاجت روائی میں تکبر نہیں فرماتے، ولیمہ کی دعوت قبول فرماتے، بیماروں کی عیادت کرتے، جنازوں میں تشریف لے جاتے، فقراء کے ساتھ بیٹھتے، مسکینوں کے ساتھ کھانا تناول فرماتے، مزاح فرماتے؛ لیکن سچ بولتے، ہنستے؛ لیکن قہقہہ نہ لگاتے، با اخلاق لوگوں کی عزت کرتے، کسی پر ظلم نہ کرتے، معذرت خواہ کا عذر قبول فرماتے، کسی کو حقیر نہ جانتے اور نہ ہی کسی پر برتری اختیار فرماتے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تبارک وتعالی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس میں تمام محاسن اور خوبیاں جمع کر دی تھیں۔ (المستفاد: احیاء العلوم، ۴/ ۱۱۷، ط: دار المنهاج السعودیة جدة)

حسن اخلاق احادیث کی روشنی میں

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک حسن اخلاق کی اتنی اہمیت تھی کہ اپنے لیے حسن اخلاق کی دعائیں کیا کرتے تھے:

"اللّٰهمّ أحسنت خلقي فأحسن خلقي "(رواه احمد فی المسند،۱/ ۴۰۳)

ترجمہ: اے اللہ تو نے میری بناوٹ کو سنوارا ہے، تو میرے اخلاق بھی سنوار دے اور بد خلقی سے بچنے کی بھی توفیق مانگتے تھے اور یہ دعا کرتے۔

"اللّٰهم إني أعوذُبكَ مِنْ مُنْكَراتِ الأخلاقِ والأعمالِ والأهواء"

(رواہ الترمذی، رقم الحدیث:۳۵۹۱)

ترجمہ: اے اللہ میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں برے اخلاق، برے اعمال اور بری خواہشات سے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد احادیث میں بھی حسن اخلاق کی اہمیت وفضیلت کو امت کی تعلیم کے لیے بیان فرمایا ہے؛ چنانچہ بخاری کی روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إنَّ مِنْ أَخْيَرِكُمْ أَحْسَنَكُمْ خُلُقًا (رواہ البخاری، رقم:۶۰۲۹)

ترجمہ: تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سب میں مجھے سب سے زیادہ محبوب اور قیامت کے دن میرے سب سے قریب وہ لوگ ہوں گے جن کے اخلاق زیادہ اچھے ہونگے۔ (ترمذی، رقم:۲۰۱۸)

ایک دوسری حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا "إنّ المؤمنَ لَيُدْرِكُ بِحُسنِ خُلقه

درجةَ الصائمِ القائم" (رواہ أبوداؤد، باب فی حسن الخلق، رقم: ۴۷۹۸)

ترجمہ: مومن اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے روزہ رکھنے والے اور رات بھر عبادت کرنے والے کے درجہ کو حاصل کر لیتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غیروں کے ساتھ برتاؤ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنوں سے تو پیار و محبت اور شفقت و ہمدردی کے ساتھ ملتے ہی تھے، جس کی بے شمار مثالیں ہیں، غیر بھی آپ کے رحم و کرم، عفو و درگزر اور خوش خلقی سے محروم نہ رہے۔ اس کی ایک عظیم مثال فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کفار مکہ کے لیے عام معافی کا اعلان کرنا ہے؛ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں فاتحانہ انداز میں شان و شوکت کے ساتھ داخل ہوئے، تو کفار و مشرکین جنھوں نے ہر قدم پر آپ کو اور آپ کے صحابہ کو تکلیفیں پہنچائی تھیں، جو آپ کے جانی دشمن تھے، آپ کے قتل کی تدبیریں اور سازشیں کرتے تھے اور جنھوں نے اسلام دشمنی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، وہ سہمے ہوئے تھے، انھیں سزائے موت کا یقین تھا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی یہی خیال کر رکھا تھا "الیوم یوم الملحمة" آج بدلے کا دن ہے، آج جوشِ انتقام کو سرد کرنے کا دن ہے؛ لیکن تاریخ نے دیکھا اور اسے نوٹ کیا کہ رحمت دو جہاں کے پیکر اور محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفقت نبوی جوش میں آئی اور زبان رسالت سے یہ اعلان کر دیا "لا تثریب علیکم الیوم واذھبوا فأنتم الطلقاء" کہ جاؤ آج تم سب آزاد ہو، تمھیں معاف کر دیا گیا، تم پر کوئی جرم نہیں ہے اور تم سے کسی قسم کا بدلہ نہیں لیا جائے گا۔ یہ تھا آپ

صلی اللہ علی وسلم کا جانی دشمنوں کے ساتھ برتاؤ اور حسن سلوک، جس کی مثال پیش کرنے سے دنیا عاجز ہے۔ اور اس سلوک اور برتاؤ کی وجہ سے فتح مکہ کے موقع پر بکثرت لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

سلام اس پر کہ جس نے دشمنوں کو معاف فرمایا

سفر طائف میں لوگوں کا برتاؤ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرز عمل

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت وتبلیغ کے لیے طائف کا سفر کیا اور وہاں کے سرداروں کو توحید کی دعوت دی تو وہ لوگ بڑی بے رخی اور ذلت کے ساتھ پیش آئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور لوگوں سے بھی گفتگو فرمائی؛ لیکن انھوں نے بجائے قبول کرنے کے یہ کہا کہ ہمارے شہر سے نکل جاؤ اور اسی پر بس نہیں کیا؛ بلکہ انھوں نے شہر کے اوباش لڑکوں کو پیچھے لگا دیا کہ وہ آپ کا مذاق اڑائیں، تالیاں بجائیں اور پتھریں ماریں، حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں جوتے خون کے جاری ہونے سے رنگین ہو گئے، ان سب کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو غلط نہیں ٹھہرایا، ان کو برا بھلا نہیں کہا؛ حتی کہ جب پہاڑوں کا فرشتہ آپ کے پاس آیا اور سلام کے بعد عرض کیا: اگر ارشاد ہو تو دونوں جانب کے پہاڑوں کو ملا دوں جس سے یہ سب درمیان میں کچل جائیں یا جو سزا آپ تجویز فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے عتاب اور سزا تجویز نہیں کی؛ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ کی ذات سے امید رکھتا ہوں کہ اگر یہ مسلمان نہیں ہوئے، تو ان کی اولاد میں ایسے لوگ پیدا ہوں، جو اللہ کی عبادت کریں۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ "فضائل اعمال" میں سفر طائف کا قصہ نقل کرنے کے بعد فائدہ کے تحت لکھتے ہیں:

"یہ ہیں اخلاق اس کریم ذات کے جس کے ہم لوگ نام لیوا ہیں کہ ہم ذرا سی تکلیف سے، کسی کے معمولی سی گالی دے دینے سے ایسے بھڑک جاتے ہیں کہ پھر عمر بھر اس کا بدلہ نہیں اترتا، ظلم پر ظلم اس پر کرتے رہتے ہیں اور دعوی کرتے ہیں اپنے محمدی ہونے کا، نبی کے پیرو بننے کا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنی سخت تکلیف اور مشقت اٹھانے کے باوجود نہ بددعا فرماتے ہیں نہ کوئی بدلہ لیتے ہیں"۔ (فضائل اعمال، ۱/ ۲۳)

ایک بدزبان یہودی کا واقعہ

زید بن سعنہ یہودی سے کسی موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرض لیا تھا، وہ یہودی وقت مقررہ سے تین دن پہلے ہی قرض کا تقاضہ کرنے لگا اور بڑے گستاخانہ انداز میں شانۂ مبارک سے چادر کھینچتے ہوئے بدزبانی شروع کردی اور کہنے لگا تم بنی عبدالمطلب بڑے وعدہ خلاف ہو۔ اس کی بدکلامی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے رہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہیں موجود تھے، ان سے برداشت نہیں ہوا، انھوں نے جھڑک کر اسے روکنا چاہا، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں روک کر فرمایا: اے عمر! تم نے ہم دونوں سے وہ طرز عمل نہیں اختیار کیا جو ہونا چاہیے تھا، مناسب یہ تھا کہ تم اسے جھڑکنے کے بجائے مجھے ادائے قرض اور وعدہ پورا کرنے کی تلقین کرتے اور اسے حسن طلب اور نرمی سے تقاضا کرنے کی ہدایت کرتے، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ یہودی کا قرض ادا

کریں اور اسے مزید بیس صاع جو دیں۔

اس طرز عمل اور عفو و درگزر کو دیکھ کر یہودی بہت متاثر ہوا اور مسلمان ہو گیا۔ روایتوں میں آتا ہے کہ یہودی کہا کرتا تھا کہ نبی آخر الزماں میں مجھے ساری نشانیاں معلوم تھیں؛ لیکن دو باتوں کو میں نے آزمایا نہیں تھا: ایک یہ کہ آپ کا حلم آپ کے غصہ سے زیادہ ہے، دوسرے یہ کہ ان پر جتنی سختی کی جائے اتنی ہی نرمی اور مہربانی بڑھتی چلی جاتی ہے، ان دو علامتوں کو بھی میں نے دیکھ لیا، اب آپ کی رسالت پر مجھے کوئی شک نہیں۔

(مستفاد: المہذب: ۴/ ۲۱۷۸)

عدی بن حاتم طائی کے قبول اسلام کا واقعہ

سیرت ابن ہشام میں پورا قصہ ابن اسحاق کے حوالے سے مذکور ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عدی بن حاتم مذہب عیسائیت کے پیروکار تھے، اپنے قبیلہ کے سردار تھے اور قبیلہ بنی طے سے ایک چوتھائی مال غنیمت وصول کر کے گزر بسر کرتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ جب کسی نے مجھے محمد بن عبداللہ (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بارے میں بتایا، تو ان کا نام سنتے ہی مجھے شدید نفرت محسوس ہوئی اور جب ان کی فوجیں مدینہ کے اردگرد علاقوں میں نکلنے لگیں، تو مجھے فکر ہونے لگی اور میں نے اپنے ایک عربی غلام سے کہا: تیرا بھلا ہو! میرے لیے موٹے تازے تیز رفتار اونٹوں کا ایک گلہ تیار رکھنا، جوں ہی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لشکروں کی خبر پہنچے، مجھے مطلع کر دینا۔ ایک دن وہ دوڑتا بھاگتا ہوا میرے پاس آیا اور کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لشکر آ گئے ہیں، یہ سنتے ہی میں اہل و عیال کو اونٹ پر بٹھا کر اور ضروری ساز و سامان لے کر ملک

شام کی جانب اس خیال سے چل دیا کہ وہ میرے ہم مذہب ہیں اور اس بھگدڑ میں میری بہن سفانہ پیچھے رہ گئی جو روانگی کے وقت کسی ضروری کام سے کہیں گئی ہوئی تھی۔

اسلامی فوج بنو طے کو شکست دے کر بہت سی عورتوں اور بچوں کو قید کر کے مدینہ لے گئی، ان قیدیوں میں میری بہن سفانہ بنت

حاتم بھی تھی اور ان سب کو مسجد کے قریب احاطہ میں رکھا گیا۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے گزرے، تو وہ کھڑی ہوگئی اور کہا: "یا رسول الله! هلك الوالد و غاب الوافد فامنن علیّ منّ الله علیك" یعنی یا رسول اللہ! میرا باپ فوت ہوگیا اور سرپرست بچھڑ گیا، آپ مجھ پر احسان فرمائیں، اللہ آپ پر احسان فرمائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا تمھارا سرپرست کون ہے، انھوں نے جواب دیا: عدی بن حاتم۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: کیا وہی جو اللہ اور اس کے رسول سے دور بھاگتا ہے؟ یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چلے گئے، دوسرے دن بھی جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیدیوں کے پاس سے گزر ہوا، تو مذکورہ سوال و جواب ہوئے اور تیسرے دن جب سفانہ بنت حاتم نے درخواست دہرائی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے تم پر احسان کیا اور تم سب کو آزادی دے دی ہے، جاتے وقت انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع دی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جوڑا عنایت فرمایا، سواری اور سفر خرچ وغیرہ دے کر اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کیا۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں اپنی بہن کے حوالے سے بہت پریشان تھا اور اسی فکر میں رہتا تھا، ایک دن وہ شام کے قافلے کے ساتھ میرے پاس ملک

شام آ پہنچی اور پہنچتے ہی مجھے کوسنا شروع کر دیا کہ قطع رحمی کرنے والے ظالم تو نے اپنے بال بچوں کے ساتھ راہ فرار اختیار کر لی اور اپنے باپ کی بیٹی اور اس کی عزت کو چھوڑ آیا۔ معافی تلافی کے بعد میں نے اس سے پوچھا: تم نے اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو کیسا پایا اور اس کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟ اس نے جواب دیا میری رائے یہ ہے کہ تم فوراً اس کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔ اگر یہ شخص اللہ کا نبی ہے، تو اس کی جانب جلدی جانا باعث فضیلت ہے اور اگر وہ بادشاہ ہے، تو لوگوں کی قدر کرنا جانتا ہے، اس کے یہاں عزت والوں کو ذلیل نہیں کیا جاتا اور تمھارا مقام و مرتبہ ہر ایک جانتا ہے۔

میں نے اس کی رائے پر مدینہ کا رخ کیا۔ مدینہ پہنچا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے، میں نے سلام کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: کون؟ میں نے کہا: عدی بن حاتم طائی ۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا پرجوش استقبال کیا اور مجھے اپنے گھر لے گئے، راستے میں ایک کمزور بوڑھی عورت نے انھیں روک لیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیر تک اس کی باتیں سنتے رہے اور وہ اپنی مشکلات اور ضروریات بیان کرتی رہی۔ میں نے اپنے دل میں کہا: خدا کی قسم یہ بادشاہ تو نہیں ہیں۔ پھر گھر پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھجور کے پتوں سے بھرا ہوا چمڑے کا گدا میری طرف بڑھایا اور فرمایا: اس کے اوپر بیٹھ جاؤ، میں نے کہا: نہیں، آپ اس پر تشریف رکھیں؛ مگر آپ نے حکم دیا: تم اس پر بیٹھو۔ میں گدے پر بیٹھ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمین پر تشریف فرما ہوئے۔ اب میں نے پھر دل میں کہا: خدا کی قسم یہ تو بادشاہوں والا معاملہ نہیں ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عدی! کیا تو رکوسی (ایک مذہبی گروہ) فرقہ سے تعلق نہیں

رکھتا؟ میں کہا: جی ہاں! میں رکوسی ہوں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دوسرا سوال تھا: کیا تم اپنی قوم سے مال غنیمت کا چوتھا حصہ وصول نہیں کرتے تھے؟ میں نے جواب دیا: جی ہاں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ وصولی تمھارے دین کے مطابق حلال نہ تھی؟ میں نے کہا: جی! آپ کا فرمان درست ہے۔اب میں بخوبی جان گیا کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں؛ کیوں کہ جو باتیں عربوں کو بالکل معلوم نہیں تھیں، آپ ان سے واقف ہیں۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک

چبھتا ہوا سوال پوچھا کہ اے عدی! شاید دین اسلام میں داخل ہونے سے یہ امر مانع ہے کہ مسلمانوں کی مالی حالت بہت کمزور ہے؟ خدا کی قسم مال و دولت کی ایسی فراوانی ہوگی کہ دینے والے سبھی ہوں گے اور لینے والا کوئی نہ ہوگا اور شاید یہ بات بھی مانع ہو کہ یہ لوگ تعداد میں بہت کم ہیں اور پوری دنیا ان کی دشمن ہے؟ خدا کی قسم دین کا غلبہ اس طرح ہوگا کہ تو سنے گا اور دیکھے گا کہ ایک خاتون زیورات سے لدی تن تنہا اپنے اونٹ پر سوار ہو کر قادسیہ سے سوار ہوگی اور حج بیت اللہ کے لیے مکہ کا سفر کرے گی اور اسے کوئی خطرہ نہ ہوگا۔ اے عدی! ممکن ہے کہ تو نے سوچا ہو دنیا میں بہت سے بادشاہ اور سلاطین ہیں اور ان لوگوں میں کوئی تاجدار نہیں ہے۔ بخدا تو سن لے گا کہ بابل کے سفید محلات ان لوگوں کے ہاتھوں فتح ہو جائیں گے، قیصر و کسری ہلاکت سے دو چار ہوں گے اور کوئی کسری پھر اس تخت پر نہ بیٹھے گا۔

عدی کہتے ہیں یہ سن کر میں نے اسلام قبول کر لیا اور وہ کہا کرتے تھے کہ میں نے دو باتیں دیکھ لی ہیں: بابل کے محلات بھی فتح ہو چکے ہیں اور قادسیہ سے تنہا سفر کرنے والی

عورت بھی میں نے دیکھی ہے، میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تیسری بات بھی ضرور پوری ہوگی اور صدقہ وخیرات لینے والا کوئی نہ ہوگا۔ (مستفاد: سیرت ابن ہشام، قدوم عدی بن ابی حاتم، ۴/۲۲۰، ط: دار الکتاب العربی)

اس پورے واقعہ پر نظر ڈالیں تو اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن اخلاق کی حسین اور خوبصورت تصویر موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عدی رضی اللہ کی بہن کے ساتھ کیسا اچھا برتاؤ کیا کہ انھیں صرف آزاد ہی نہیں کیا؛ بلکہ اعزاز واکرام کے ساتھ جوڑا عنایت فرما کر اور سواری اور سفر خرچ کا انتظام کر کے رخصت کیا۔ پھر حضرت عدی رضی اللہ عنہ کی آمد پر ان کا پرجوش استقبال کیا اور صرف اتنا ہی نہیں؛ بلکہ انھیں اپنے گھر لے گئے اور خود زمین پر بیٹھ کر انھیں گدے پر بٹھایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انھیں اخلاق اور برتاؤ سے متاثر ہو کر انھوں نے اسلام کا دامن تھاما۔

غرض یہ کہ زندگی کے ہر شعبہ میں اور ہر طرح کے افراد کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسنِ اخلاق اور عمدہ حسنِ معاشرت کی مثالیں بھری پڑی ہیں؛ حتی کہ بے زبان جانوروں اور پرندوں کے ساتھ بھی اچھے سلوک کی تعلیم دی ہے اور مختلف قسم کی احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو بھی اسی کی تعلیم دی ہے؛ چنانچہ اسی تعلیم کی بدولت اور مسلمانوں کے عمدہ اخلاق اور حسن معاشرت کو دیکھ کر بے شمار لوگ دامن اسلام میں داخل ہوئے، اور حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور یہ ایک بدیہی اور واضح حقیقت ہے کہ پوری دنیا میں اسلام کی نشر واشاعت میں اچھے اخلاق کا بڑا اہم رول ہے؛ لیکن بدقسمتی سے آج مسلمانوں کے اندر

سے یہ صفت بالکل معدوم سی ہوگئی ہے۔ تاجر ہو یا کاشتکار، ڈاکٹر ہو یا انجینئر، استاد ہو یا شاگرد، ملازم ہو یا نوکر، مزدور ہو یا مستری اور مرد ہو یا عورت سبھی کسی نہ کسی درجہ میں بداخلاقی کا شکار ہیں؛ جب کہ حسن خلق فطری تقاضہ ہونے کے ساتھ اسلامی تعلیمات کا بھی بہت اہم حصہ ہے اور بے شمار فضائل قرآن واحادیث میں خوش خلقی پر وارد ہوئے ہیں ۔ دوسری طرف غیروں کے اخلاق، سلوک اور رویے میں نسبتاً بہت بہتری ہے، یہی وجہ ہے کہ لوگ؛ بلکہ مسلمان بھی

غیروں کی دکانوں پر سامان لینے کے لیے جانا اور ان سے معاملات کرنا پسند کرتے ہیں، جب کہ مسلمانوں کی بدخلقی کی وجہ سے مسلمان بھی ان کی دکانوں سے کتراتے ہیں اور ان سے معاملات کرنا گوارہ نہیں کرتے؛ چنانچہ غیر لوگ ترقی کرتے جارہے اور مسلمان محنت کرنے کے باوجود بھی دن بدن پستی کی طرف جارہے ہیں۔

اور مسلمانوں کی اسی بدخلقی، فریب، دھوکہ دہی، خیانت اور معاملات وغیرہ میں صفائی نہ ہونے کی وجہ سے دوسرے مذاہب کے لوگ اسلام سے بدظن ہورہے ہیں، گویا مسلمان اسلام کی طرف دعوت دینے کے بجائے جانے انجانے لوگوں کے قبول اسلام میں رکاوٹ بن رہے ہیں اور یہ کتنی بڑی بدنصیبی اور کتنا بڑا جرم ہے!!۔

اللہ تبارک وتعالی ہم سب کو اور تمام امت مسلمہ کو خوش خلقی، حسن اخلاق، حسن معاملہ، صلہ رحمی، وسعت ظرفی اور حسن معاشرت جیسی عظیم صفات سے متصف ومزین فرمائے اور زندگی کے تمام شعبوں میں انھیں اپنانے کی توفیق عطا فرمائے! آمین

بنت اسعد

گناہوں کے زہریلے اثرات

زمانۂ جاہلیت کے تاریک دور میں جب قرآن روشن دلائل لے کر نازل ہوا تو بہت سے خوش نصیب لوگ پہلے ہی وہلے میں اسلام کے در پر جھک گئے، قرآن نے ان کے دلوں میں ہلچل پیدا کردی، خدا کے وجود، اس کی لامتناہی قدرت و عظمت کے وہ قائل ہوے اور انھیں اعتراف کرنا پڑا کہ ایک خدا کے علاوہ جن بتوں کے سامنے ہم سجدہ کرتے تھے، وہ باطل اور جھوٹے ہیں، اسلام کی سچائی پاکر وہ اپنی قسمت پر ناز کرتے اور گمراہی میں گذری ہوی زندگی پر انھیں کبھی کبھی بڑا افسوس ہوا کرتا تھا، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود، وحدانیت، حشر ونشر، قیامت، جنت وجہنم اور آخرت کے مناظر کو اس طرح

صاف اور روشن دلائل سے بیان کیا ہے کہ ان میں ادنیٰ غور وفکر سے ہدایت نصیب ہوسکتی ہے؛ لیکن اس کے باوجود کفار مکہ کی ایک بڑی تعداد کفر وشرک پر قائم رہی، اسلام ان کے قلب وجگر کو مسخر نہ کرسکا اور نہ ہی اس کے دلائل ان کی زندگی کو صحیح رخ دے سکے، قرآن نے اس کی وجہ بیان کی ہے:

{إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۞ خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ} ۞ (البقرة: ٦-٧)

ترجمہ: ”جن لوگوں نے ان باتوں کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا ہے، ان کے لیے یکساں ہے، خواہ تم انھیں خبردار کرو یا نہ کرو، بہر حال وہ ماننے والے نہیں ہیں، اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگادی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے، وہ سخت سزا کے مستحق ہیں“

یعنی ان باتوں میں تاثیر بجا طور پر پائی جاتی ہے؛ مگر کسی مؤثر کلام سے فائدہ اسی وقت پہنچ سکتا ہے جب کہ سننے والوں کا ارادہ نیک ہو، وہ اسے قبول کرنے اور ماننے کا قصد کریں، ورنہ کسی موقف پر ضد اور ہٹ دھرمی کرنے والوں کے لیے ہزار دلائل بھی بے سود ہیں۔

کفار مکہ کا بھی کچھ ایسا ہی حال تھا کہ وہ حق بات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے، اگر سمجھتے بھی تو اسے عناداً قبول نہیں کرتے، سچی بات کو متوجہ ہو کر نہیں سنتے، راہ حق کو نہیں دیکھتے تھے، ان لوگوں نے نفرت وعناد کے سبب کچھ ایسا حال بنا لیا تھا کہ مذہب اسلام کی صداقت ایک خدا کے وجود اور حشر ونشر کے روشن اور واضح سے واضح دلائل کو دیکھنے اور سننے کے لیے وہ تیار ہی

نہیں ہوتے تھے، ان کی اصلاح اور ایمان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کوشش کرتے وہ رائیگاں ہوجاتی اور ذرہ بھی ان کے دل و دماغ پر اس کا اثر مرتب نہ ہوتا، اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوے کہا کہ ان لوگوں نے جان بوجھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کردہ باتوں کو رد کر دیا ہے اور سچے راستہ کے خلاف دوسرا راستہ اختیار کر لیا ہے؛ اس لیے اللہ نے ان کی حالت پر نظر رکھتے ہوے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگادی اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے، ان کے نتائج انتہائی بُرے اور خوفناک ثابت ہوں گے۔

کسی چیز پر مہر اس لیے لگائی جاتی ہے؛ تاکہ باہر سے کوئی چیز اس میں داخل نہ ہو، کفار مکہ نے سوچنے سمجھنے اور قبولِ حق کے تمام راستے اپنے اوپر بند کر لیے تھے؛ اس لیے ان کی اصلاح کی توقع فضول تھی، قرآن نے ان کے دلوں پر مہر بندی کی اطلاع کے ساتھ عذاب عظیم سے باخبر کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق بات کا دلوں پر اثر انداز نہ ہونا؛ اس لیے ہوتا ہے کہ گناہوں کی کثرت اور بے توجہی کے سبب قدرتاً دلوں پر مہر لگادی جاتی ہے جو ایک انسان کے لیے بڑی محرومی اور بدبختی کی بات ہے اور یہ دنیا و آخرت کا بڑا خسارہ ہے۔

آج ہم اپنے دلوں کا جائزہ لیں، سماج اور معاشرہ پر نظر ڈالیں کہ اسلامی احکام کی اتباع کے لیے ہم کتنا دوڑ رہے ہیں، دینی اجلاس و اجتماع کی کثرت ہے، درس قرآن اور درس حدیث کی کمی نہیں، دینی تحریکات اور اصلاحی کوششوں کی بھی کمی نہیں، ہر جمعہ نماز سے قبل مختلف عنوان پر اصلاحی بیانات کا سلسلہ جاری ہے، ہر طرف قرآن اور حدیث کی ہی باتیں آپ کو ملیں گی، مدارس و مکاتب اور خانقاہوں کا وجود نہ صرف باقی؛ بلکہ ان کی تعداد

روز بروز بڑھ رہی ہے، پھر اس کے باوجود روحانی اعتبار سے ملت بیمار کیوں ہے؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ خود مسلمانوں کے گھروں اور سماج میں ایسی بے حیائیاں جنم لے رہی ہیں، جن سے انسانیت کو بھی شرم آتی ہے، سود، رشوت، شراب نوشی، زنا کاری، ظلم و زیادتی، قتل وغارت گری، گالی گلوج، بداخلاقی و بدکرداری، ناجائز عقد و معاملات اور دیگر برائیاں اس طرح مسلم معاشرے میں جڑ پکڑ گئی ہیں کہ ان کے ازالہ کے لیے بڑے سے بڑے مصلح، داعی، مفکر و مدبر کی کوششیں بے کار ثابت ہورہی ہیں، قرآن وحدیث پر مشتمل ان تقاریر و بیانات کا کوئی اثر ہے اور نہ اصلاحی و دینی مضامین و مقالات اور کتابوں کا، پہلے کے مقابلے میں اب دینی رسائل و جرائد کی بھی بہتات ہے اور کتابوں کی طباعت ہر سال بڑھتی جارہی ہے؛ لیکن برائیوں اور بے حیائیوں کا سیلاب ہے جس پر بند لگانے کی ہر کوشش ناکام ہے۔

قرآن پڑھنے کی ایک مثال لیجیے، صحابۂ کرام جب قرآن پڑھتے یا سنتے تو ان کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے، جہنم کے مناظر اور اس کے خوفناک عذاب کے بیان سے جسم کانپ اٹھتا، جنت کی لازوال نعمتوں کا اشتیاق پیدا ہوتا، وہ بچوں کی طرح روتے، بلکتے اور تڑپتے تھے؛ بلکہ ابوجہل، ابولہب، اخنس بن شریق جیسے سخت دل کفار مکہ بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے تہجد کی نماز میں قرآن سنتے تو زار و قطار روتے اور ان کے کلیجے پھٹ پڑتے تھے؛ مگر آج ہم بھی قرآن پڑھتے اور سنتے ہیں؛ غور کیجیے کہ کیا اس عظیم الشان کتاب کی آیات سننے سے دلوں میں کوئی ہلچل پیدا ہوتی ہے، روح میں وجد آتی ہے، زندگی میں انقلابی اثرات رونما ہوتے ہیں، شب و روز قرآن پڑھنے کے باوجود بھی کبھی

نہ رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، نہ آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں، نہ ہمارے جذبات میں کوئی طوفان برپا ہوتا ہے اور نہ ہی قلب وجگر کی تسخیر پائی جاتی ہے۔

اسی طرح عمل کی باری آئی تو صحابۂ کرام اس میں بھی کھرے اترے، جیسے ابتداء اسلام میں شراب کی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی، اور جب اس کو واضح طور پر حرام قرار دے دیا گیا تو جو اس کے دلدادہ اور عاشق تھے، اس کی حرمت سننے کے بعد فوری طور پر رک گئے، شراب کے برتنوں اور مٹکوں تک انھوں نے توڑ ڈالا اور گلیوں میں شراب بہادی، روایت میں ہے کہ جس وقت شراب کی حرمت نازل ہوئی شراب کا جام بعض لوگوں کے ہاتھ میں تھا، کچھ پی چکے تھے، کچھ جام میں بچ رہا تھا، انھیں حرمت کا علم ہوا تو شراب کے باقی حصوں کو برتن میں انڈیل دیا اور اسے ضائع کر دیا، پھر بھی اس کی طرف توجہ نہیں کی، عام طور پر انسان جب کسی چیز کا عادی ہوتا ہے، اس کا چھوڑنا انتہائی دشوار اور دقت طلب ہوتا ہے؛ لیکن اطاعت وفرمانبرداری اور خوف خدا کی یہ حیرت انگیز مثال دیکھئے کہ شراب جس کو وہ چائے کی طرح پینے کے عادی تھی، حکم خداوندی آتے ہی کسی پس وپیش کے بغیر اس کو ترک کر دیا؛ بلکہ شراب کا جو جام وہ ہونٹ سے لگا چکے تھے، جیسے ہی قرآن کی آیت سنائی گئی، اسی لمحے میں اپنے جام ہونٹ سے علیحدہ کر لیے اور پھر شراب کا ایک قطرہ بھی حلق میں نہیں گیا، یہ اطاعت دل پر کتنی گراں گذرتی ہوگی اور کس صبر سے انھوں نے کام لیا، کیا خوف خدا کی یہ مثال کہیں اور مل سکتی ہے؟

آج سودی کاروبار کرنے والے مسلمان سود کی حرمت کے خلاف تقریریں سنتے ہیں،

سود پر اللہ کا جو غضب نازل ہوتا ہے اور آخرت میں اس کے جو خوفناک نتائج ہوں گے، ان پر بھی ان کی اچھی نظر ہے، سودی لین دین کی لعنت والی قرآنی آیات واحادیث کا مطالعہ بھی کرتے ہیں؛ لیکن کیا ان بیانات سے قرآن وحدیث کی دھمکیوں سے ہمارے دل میں کوئی حرکت پیدا ہوئی، کتنے ایسے مسلمان ہیں جنہوں نے خوف خدا کے سبب قرآنی احکام سنتے ہی ایسے کاروبار کو ترک کر دیا ہو اور گذرے ہوئے معاملات پر آنکھوں سے آنسو بہے ہوں، زندگی گناہوں اور برائیوں سے لت پت ہے اور ان جرائم کے خلاف شب و روز قرآن وحدیث کی باتیں کانوں سے ٹکراتی ہیں، عذاب قبر اور جہنم کے مناظر کا بیان بھی سامنے ہوتا ہے؛ لیکن جسم میں کوئی حس نہیں ہے، دل و دماغ میں کوئی انقلاب نہیں، شب و روز کی عملی رفتار میں کوئی تغیر نہیں؛ بلکہ نیکیوں کے بجائے برائیوں کی طرف رحمتِ خداوندی کے بجائے اس کے غضب کی طرف ہم لپک رہے ہیں، بلاشبہ قرآن کی اپنی تاثیر باقی ہے، شریعت کی پابندیاں اپنی جگہ قائم ہیں، جنت وجہنم کی ساری باتیں پہلے کی طرح اب بھی تازہ ہیں؛ لیکن دلوں کی کیفیت بدل گئی، ایمانی حرارت میں فرق آ گیا، عنداللہ جواب دہی کا احساس مٹ گیا، جس دل میں سختی پیدا ہو جاتی ہے، قبولیت کے تمام دروازے اس کے لیے بند ہو جاتے ہیں اور ایسے قلوب کے لیے قرآن نے بہت سخت وعید بیان کی ہے:

{فَوَيْلٌ لِّلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللهِ أُولٰئِكَ فِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ}

(الزمر: ۲۲)

ترجمہ: ”تباہی ہے ان لوگوں کے لیے جن کے دل اللہ کی نصیحت سے اور زیادہ سخت

ہو گئے، وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں‘‘

کہیں ایسا تو نہیں کہ بداعمالیوں کے سبب ہمارے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہو، جس کی وجہ سے اصلاح کی تمام کوششیں ضائع ہو رہی ہیں اور دل و دماغ پر قرآن و حدیث کی باتوں کا کوئی اثر نہیں ہے، اگر ایسا ہے تو یہ بڑی بدبختی اور محرومی کی بات ہوگی؛ اس لیے اپنے قلوب کی تہوں میں جھانک کر دیکھئے، تنہائی میں غور کیجیے، دل کو ٹٹولیے اور توبہ کیجیے، اپنے گناہوں اور بداعمالیوں سے آج اس کا موقع ہے، آنکھیں موند لینے کے بعد حسرت کے سوا کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔

دلوں پر اچھی بات اثر انداز نہ ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے قرآن نے کہا:

{كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ} (المطففین: ۱۴)

ترجمہ: ’’ہرگز نہیں بلکہ دراصل ان لوگوں کے دلوں پر ان کے بُرے اعمال کا زنگ چڑھ گیا ہے‘‘

گناہوں کی کثرت و مزاولت سے دل پر تاریکی چھا جاتی ہے، پھر جوں جوں گناہ کا سلسلہ جاری رہتا ہے، تاریکی میں شدت پیدا ہوتی رہتی ہے اور حالت اس قدر پختہ ہو جاتی ہے کہ روشن دلائل اور قرآن و حدیث کی باتوں اور نیک خیالات کا اس پر گذر نہیں ہوتا۔

حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

’’إن المؤمن إذا أذنب كانت نكتة سوداء فی قلبه، فإن تاب ونزع

واستغفر صقل قلبه وإن زاد زادت حتى يعلو قلبه ذاك الران الذى ذكر الله عز وجل فى القرآن {كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ}" (مسند احمد، حدیث نمبر: ۷۹۳۹)

ترجمہ: "انسان جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے قلب پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے، اگر اس نے توبہ واستغفار کرلیا تو سیاہی مٹ

جاتی ہے اور دل صاف ہوجاتا ہے؛ لیکن اگر اس نے اس گناہ سے توبہ نہ کی اور دوسرا گناہ کرلیا تو ایک دوسرا نقطہ سیاہ لگا جاتا ہے اور اسی طرح ہر گناہ پر سیاہ نقطہ لگتے چلے جاتے ہیں، یہاں تک کہ یہ سیاہی سارے قلب پر محیط ہوتی ہے، اسی ظلمت وسیاہی کا نام قرآن کریم میں "ران" آیا ہے: {كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ}"

اس مضمون پر مشتمل متعدد احادیث مذکورہ ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی سرکشی اور بداعمالیوں سے دل کی نورانیت ختم ہوجاتی ہے، پھر نصیحتوں اور نیک باتوں کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا، دل کی سیاہی ایک پر ایک گناہ سے بڑھتی ہی جاتی ہے، جب تک توبہ واستغفار کرکے اسے پاک صاف نہ کرلیا جائے، ہر کلام اس کے لیے غیر مؤثر ثابت ہوتا ہے ؛اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ اپنے دل کو گناہوں سے آلودہ نہ ہونے دیں، اگر بشری تقاضے کی بنیاد پر کبھی گناہ سرزد بھی ہوجائے تو اللہ کی طرف رجوع ہو، آنکھوں سے آنسو بہا کر خدا کے حضور صدق دل سے توبہ کرے، دل کی سیاہی ساری محرومی کی جڑ ہے، دل روشن اور پاکیزہ رہے تو تمام اعضا سے نیک اور خدا کی مرضی کے مطابق امور انجام پاتے

ہیں اور دل میں ہی کجی رہی تو کوئی عضو نیک کام کے لیے تیار نہیں ہوتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

"ألا وإن في الجسد مضغة إذا صلحت صلح الجسد كله وإذا فسدت فسد الجسد كله، ألا وهي القلب"(صحیح بخاری)

ترجمہ: ''خبردار! بلاشبہ بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، جب وہ ٹکڑا صالح رہتا ہے تو تمام بدن میں صالحیت رہتی ہے اور جب اس میں فساد پیدا ہوتا ہے تو پورے جسم کا نظام بگڑ جاتا ہے، خبردار! اور وہ ٹکڑا دل ہے''

جسم کا نظام بگڑنے سے مراد اس سے صحیح افعال کا صادر نہ ہونا ہے، یعنی جب دل میں کجی اور فساد آتا ہے تو اعضا سے بھی بُرے افعال صادر ہوتے ہیں اور دل صحیح رہتا ہے تو وہ اعضا کو صحیح اور نیک کام کی ترغیب دیتا ہے اور انسان سے اچھے کام کا صدور ہوتا ہے اور اس پر دین کی باتیں اثر انداز ہوتی ہیں، ورنہ دل سیاہ رہتے ہوئے قیمتی سے قیمتی باتیں بے سود ثابت ہوتی ہیں، آپ اگر اپنی کامیابی چاہتے ہیں تو دل کو سیاہ ہونے سے بچایئے، گناہوں سے توبہ واستغفار کی عادت ڈالیے، توبہ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے، اس سے بڑا سے بڑا گناہ بھی ختم ہو جاتا ہے، اگر آپ نے گناہوں سے توبہ نہیں کیا تو دل کی سیاہی بڑھتی جائے گی اور پھر اچھے اچھے دینی مضامین، اچھی کتابیں اور مؤثر خطاب بھی آپ کو صحیح رخ نہیں دے سکتا، ضلالت و گمراہی آپ کا مقدر بن جائے گی، جو ایک انسان کے لیے ایسی ہلاکت ہے جس سے بڑی کوئی ہلاکت نہیں۔

اُمِ ہانی

میرا باورچی خانہ

عید کے حوالے سے ہماری بھر پور کوشش ہوتی ہے کہ آپ کے گھر میں جو خوشیوں کی برات اُتری، رونقیں سجی ہیں، تو ہم بھی کچھ سواد بھری، منفرد تراکیب پیش کر کے اس کا حصّہ بننے کی کوشش کریں، تو اِسی مناسبت سے چند میٹھے میٹھے لوازمات کی تراکیب حاضر ہیں۔

شیر خرما

اجزاء: دودھ ایک لیٹر، الائچی (پسی ہوئی) آدھا چائے کا چمچ، سویّاں ایک پیکٹ، چینی ایک کپ، کھجور (خشک کُٹی ہوئی) 10 عدد، خشک میوہ جات (بادام، پستے، کاجو باریک کاٹ لیں)، حسبِ منشاء، کشمش حسبِ ضرورت اور تیل۔

ترکیب: ایک پتیلی میں دودھ گرم کر کے اس میں الائچی پاؤڈر اور چینی شامل کر کے ہلکی آنچ پر 15 منٹ تک پکنے دیں۔ اس دوران فرائی پین میں تیل گرم کر کے سویّاں بھون لیں۔

اس کے بعد دودھ میں سوّیاں اور خشک میوہ جات ڈال کر گاڑھے ہونے تک پکنے دیں۔ اس کے بعد ایک باؤل میں نکال کر فریج میں رکھ دیں اور ٹھنڈا ہونے پر اہلِ خانہ کے ساتھ مزے دار شیر خرمے کا لُطف اُٹھائیں۔

میٹھی سویّاں

اجزاء: سویّاں ایک پیکٹ، الائچی پاؤڈر آدھا چائے کا چمچ، کاجو، بادام، پستہ (باریک کاٹ لیں) حسبِ ضرورت، پانی (گرم کر لیں) دو کپ، چینی حسبِ ذائقہ اور تیل۔

ترکیب: ایک پین میں تیل کڑکڑا کر الائچی پاؤڈر ڈال کے بھون لیں۔ پھر اس

میں سویّاں شامل کر کے ہلکی آنچ پر اتنا بھونیں کہ سُنہری براؤن ہوجائیں۔ اب پستہ، کاجو اور بادام شامل کر کے ذرا سا بھون کے چینی اور پانی شامل کر کے ڈھکن ڈھک کر ہلکی آنچ پر سوّیاں گلنے کے لیے رکھ دیں۔ جب پانی خشک ہوجائے اور سوّیاں بھی گل جائیں، تو چولھا بند کر دیں۔

کسٹرڈ

اجزاء: رس بیری کسٹرڈ تین کھانے کے چمچ، دودھ دو پیالی، فریش کریم (پھینٹ لیں) ڈیڑھ پیالی، چیریز ایک سو پچاس گرام، چینی حسبِ ذائقہ، کشمش، خشک میوہ جات (باریک کتر لیں) اور اسٹرابیریز حسبِ منشاء اور چاکلیٹ بارز دو عدد۔

ترکیب: ایک کپ میں تھوڑا سا دودھ لے کر اس میں کسٹرڈ پاؤڈر گھول لیں۔ اب ایک پتیلی میں دودھ، چینی اور کسٹرڈ کا آمیزہ ڈال کر چمچ سے مِکس کریں اور ہلکی آنچ پر گاڑھا ہونے تک پکنے دیں۔ جب گاڑھا ہوجائے، تو چولھا بند کر دیں۔ اب کسٹرڈ میں چاکلیٹ، اسٹرابیریز (چھوٹے پیس کاٹ لیں) فریش کریم (آدھی)، چیریز اور کشمش مِکس کر کے فریج میں رکھ دیں۔ سرو کرنے سے قبل باقی فریش کریم اور خشک میوہ جات سے سجاوٹ کر لیں۔

کاک ٹیل کھیر

اجزاء: دودھ ایک کلو، چاول (پیس لیں) آدھا کپ، کھویا آدھا پاؤ، فروٹ کاک ٹیل ایک کپ، چینی حسبِ ذائقہ، الائچی پاؤڈر آدھا چائے کا چمچ، ونیلا ایسینس چند قطرے اور خشک میوہ جات (باریک کاٹ لیں) حسبِ ضرورت۔

ترکیب: ایک پتیلی میں دودھ گرم کر کے چاول ڈال کر ہلکی آنچ پر پکنے دیں (لیکن چمچ مسلسل چلاتی رہیں)، جب دودھ اور چاول اچھی طرح مِکس ہوجائیں تو چینی، الائچی پاؤڈر اور فروٹ کاک ٹیل شامل کر کے اتنا پکائیں کہ دودھ گاڑھا ہوجائے۔ اب چولھا بند کر کے اس میں ونیلا ایسینس اور کھویا ڈال کر اچھی طرح مِکس کرلیں۔ سرونگ ڈش میں نکال کر خشک میوہ جات چھڑک دیں۔ (صائمہ مسلم، کراچی)

چاکلیٹ فج کیک

کیک کے اجزاء: میدہ دو کپ، انڈے 8 عدد، چینی (پیس لیں) حسبِ ذائقہ اور کوکو پاؤڈر ایک چوتھائی کپ۔

ترکیب: انڈے اتنے پھینٹیں کہ وہ پھول جائیں۔ پھر اس میں چینی، میدہ اور کوکو پاؤڈر مِکس کر کے ایک بار پھر پھینٹ لیں۔ اس کے بعد کیک کے سانچے میں ڈال کر 200 سینٹی گریڈ پر 15 منٹ کے لیے بیک کرلیں۔

کیک آئسنگ:

فریش کریم آدھا کپ، کوکو پاؤڈر ایک چوتھائی کپ، آئسنگ شوگر ایک چوتھائی کپ، چاکلیٹ بار ایک عدد، فریش کریم آدھا کپ اور مکھن ایک چائے کا چمچ۔

ترکیب: ایک باؤل میں کریم پھینٹ کر اس میں آئسنگ شوگر اور کوکو پاؤڈر ڈال کر اچھی طرح مِکس کر کے شیرہ بنالیں۔ اب کیک دو حصّوں میں کاٹ کر، ایک حصّے پر چینی کا شیرہ ڈالیں اور پھر کریم لگائیں۔ پھر دوسرا حصّہ رکھ کر پورے کیک پر کریم لگا کر 15 منٹ کے لیے

فریج میں رکھیں۔اس دوران چاکلیٹ میلٹ کرلیں۔اب اس میں کریم اور مکھن ڈال کر اچھی طرح مِکس کریں اور پورے کیک پر لگا کر فریج میں رکھ دیں۔

چٹ پٹی چاٹ

عید پر بننے والی نمکین ڈشوں میں چنا چارٹ سب سے مقبول ہے جسے دنیا کے مختلف ممالک میں مختلف انداز اور لوگوں کی پسند کے مطابق تیار کیا جاتا ہے۔

پاکستان میں آلو چنا چاٹ کو املی کی چٹنی، باریک پیاز، شملہ مرچ اور ٹماٹر کے ساتھ بنایا جاتا ہے۔کچھ علاقوں میں اسے پاپڑی، نمکین سویوں اور آلو بخارے کی چٹنی کے ساتھ بھی پیش کیا جاتا ہے۔

غذائیت

غذائیت کے اعتبار سے یہ پروٹین، کاربو ہائیڈریٹس، صحت بخش چکنائی ، وٹامن کے، وٹامن بی کمپلکس، کیلشیم اور آئرن سے بھرپور ہے۔اس کے علاوہ اسے جسم کو زیادہ توانائی بخشنے اور جلد پیٹ بھرنے والی غذا سمجھا جاتا ہے۔چنے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ یہ جسم میں نقصان دہ کولیسٹرول بننے سے روکتا ہے۔

احتیاطیں

بلڈ پریشر کے مریض چنا چاٹ میں نمک اور دیگر مصالحہ جات کی بجائے لیموں کا رس یا املی کا پانی استعمال کرسکتے ہیں۔ڈائلیسز کے مریض آدھا کپ ابلے چنے کھا سکتے ہیں لیکن اس میں نمک، املی کا پانی، مصالحہ جات اور دہی کا استعمال بالکل نہ کریں۔

سوجی کا حلوہ

عید کے موقع پر سوجی کا حلوہ بہت مقبول ہے جسے کہیں نان چنوں کے ساتھ سجایا جاتا ہے تو کہیں حلوہ پوریوں کے ساتھ کھایا جاتا ہے۔ پاکستانی تو اسے پسند کرتے ہی ہیں، برما میں بھی عید پر سوجی سے بنے پکوان پسند کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح بھارت میں بھی سوجی کو بھون کر مختلف قسم کی سبزیوں کے ساتھ پیش کرنے کی روایت ہے۔

پاکستان میں یہ حلوہ گھی میں مختلف میوہ جات اور چینی کے ساتھ بھون کر تیار کیا جاتا ہے۔

غذائیت:

یہ مزیدار حلوہ وٹامن سی، ڈی، ای، بی 1، بی 2، بی 6، فولاد، زنک، فاسفورس، سلینیم اور میگنیشیم سے بھرپور ہے۔ انیمیا (Anemia) کے مریض اسے خون کی کمی پوری کرنے کے لئے کھا سکتے ہیں۔ چونکہ اس میں سوڈیم کی مقدار نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے، اس لئے گردے کے مریض بھی اسے کھا کر میٹھی عید کا لطف اٹھا سکتے ہیں۔ مزید برآں یہ ہر عمر کے افراد کے لئے یکساں مفید ہے، خاص طور پر بڑھتی عمر کے بچوں کو کھلانے سے ان کی جسمانی طاقت میں اضافہ کرنے کا باعث بنتا ہے۔